۱۰

خطرات سے پُر اوقات میں حکومت کی بہترین خدمات سرانجام دینے کا صلہ جماعت احمدیہ کو کیا مل رہا ہے؟

(فرمودہ ۲۷ / مارچ ۱۹۳۶ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں آج ایک نہایت اہم معاملہ کے متعلق خطبہ کہنا چاہتا ہوں اور چونکہ اس پر بولنے کیلئے مجھے زیادہ وقت چاہئے تھا اِس لئے مَیں نے اعلان کرا دیا تھا کہ دوست ساڑھے بارہ بجے مسجد میں پہنچ جائیں۔ گو میں خود ایک بج کر چار پانچ منٹ پر پہنچا ہوں لیکن میری غرض دیر کرنے سے یہ تھی کہ بعض دفعہ جب تمام لوگ وقت پر نہ آئیں تو دوسروں کا انتظار کرنا پڑتا ہے اس لئے میں دانستہ کچھ دیر کر کے آیا ہوں تا سب لوگ جمع ہو جائیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو سکیں۔ گو مجھے یہاں آ کر یہ محسوس ہؤا ہے کہ غالباً دوست وقت کے قریب قریب ہی مسجد پہنچ چکے تھے اور اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔

میں سب سے پہلے تو تمہیدی طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت ایک امن پسند جماعت ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے کھڑا ہی اس لئے کیا ہے کہ ہم دنیا میں امن ، صلح اور محبت قائم کریں۔ چنانچہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے ایک نام خدا تعالیٰ نے ’’سلامتی کا شہزادہ‘‘ رکھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس نام کی

وجہ سے ہماری جماعت کبھی بھی اُن کاموں کو اختیار نہیں کر سکتی جو فتنہ اور فساد کا موجب ہوں۔ پھر اِس امن پسندی کی طرف متوجہ کرنے کیلئے ہمارے پاس بعض اور قوی وجوہ بھی موجود ہیں جن کے ماتحت امن شکنی ہمارے لئے کسی صورت میں جائز نہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اُس کے خلاف فتنہ وفساد کھڑا کرنا جائز نہیں۔ ہم نے اِس مسئلہ کی وجہ سے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ ہمارے اپنے بھائیوں نے اِس مسئلہ کی وجہ سے ہمیں کافر قرار دیا بلکہ آدم حریت وآزادی کا پیغام دینے کا مدعی ڈاکٹر اقبال بھی ہمارے خلاف یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم جہاد کے خلاف تعلیم دے کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کا موجب ہیں اور دوستی کے پردہ میں ان سے دشمنی کرتے ہیں۔ پس ہمارے اس عیب اور گناہ کی تصدیق پُرانے علماء نے بھی کر دی اور جدید فلسفیوں نے بھی کر دی گویا مغرب اور مشرق دونوں جمع ہو گئے ہمیں مُجرم قرار دینے کیلئے، اِس بناء پر اور اس گناہ کی وجہ سے کہ کیوں ہم نے مسلمانوں کو امن پسندی کی تعلیم دی ہے۔ قوم کی مخالفت کوئی معمولی مخالفت نہیں ہوتی۔ نہ صرف اس میں ہر قسم کا جسمانی دُکھ انسان کو برداشت کرنا پڑتا ہے بلکہ دل کا دُکھ بھی اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اسلام بے شک انسان کو بہادر بنا دیتا ہے، اسلام بے شک انسان کے دل میں جرأت پیدا کر دیتا ہے لیکن اسلام انسان کے جذبات کو مارتا نہیں بلکہ انہیں اُبھارتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خواہ کوئی بھی حق کی مخالفت کرے، اپنے ہوں یا غیر، مؤمن ان کی پرواہ نہیں کرتا مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ کسی فعل کی وجہ سے خواہ وہ حق کی حمایت ہی کیوں نہ ہو اگر وہ اپنے عزیزوں، اپنے رشتہ داروں، اپنے ہمسایوں اور اپنے ہم قوموں سے علیحدگی اختیار کرے تو طبعی طور پر اسے صدمہ ضرور ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ پس یہ کوئی کھیل نہ تھا جو ہم کھیلے اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ ہم نے تمام مسلمانوں کو اپنا اس لئے دشمن بنالیا کہ ہم فتنہ وفساد کے خلاف تعلیم ان میں پھیلاتے ہیں مگر یہ دُکھ ہم نے اُٹھایا، یہ تکلیف ہم نے سہی، یہ مصیبت ہم نے برداشت کی لیکن حق کو نہیں چھوڑا بلکہ ہم ہمیشہ امن پسندی کی تعلیم لوگوں کو دیتے رہے۔ حکومت کے ریکارڈ اس کے گواہ ہیں، حکومت کے اعلانات اس کے گواہ ہیں اور حکومت کی چِٹھیاں اس کی گواہ ہیں۔ پس مذہب کی حکومت سب سے بڑی حکومت ہے اور اس کے حکم کے ماتحت ہم مجبور ہیں خواہ ہم میں سے بعض کا

دل نہ بھی چاہے، خواہ بعض ہم میں سے جوش کی حالت میں اپنی عقل و خرد کو چھوڑ کر یہ ارادہ بھی کرلیں کہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں، کہ اس ارادہ کو عمل کا جامہ نہ پہنائیں۔

دوسری بات جو ہمیں پُرامن رہنے پر مجبور کرتی ہے وہ ہمارے اور دوسری رعایا کے تعلقات ہیں۔ پہلی وجہ میں حکومت کے اور ہمارے تعلقات تھے جن میں مذہب نے ہمیں پابندِ امن کر دیا ہے لیکن دوسری وجہ وہ احکام ہیں جو رعایا اور رعایا کے آپس کے تعلقات کے متعلق ہیں ان احکام میں بھی آپس میں محبت اور پیار سے رہنے کی تعلیم دی گئی ہے لیکن ان کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے کہ ہم امن شکنی نہیں کر سکتے کیونکہ علاوہ مذہبی تعلیم کے مصلحتیں اور ضرورتیں بھی ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم امن شکنی نہ کریں۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی کمزور شخص مذہب کی حکومت سے کسی وقت انکار بھی کر دے تو وہ ضرورتاً اس بات پر مجبور ہے کہ امن شکنی نہ کرے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں۔ ہم نے اپنا یہ فرض مقرر کیا ہؤا ہے اور دوسروں کو ہم اس بات کی عادت ڈالتے ہیں کہ وہ جائیں اور غیر احمدیوں کو تبلیغ کریں۔ ہم مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں، ہم ہندوؤں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں، ہم سکھوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں، ہم عیسائیوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں اور اسی طرح ہر اُس قوم کو ہم تبلیغ کرتے ہیں جو ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اب ایک تبلیغی جماعت کیلئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ لوگوں سے لڑے کیونکہ اگر وہ لڑے تو تبلیغ نہیں کر سکے گی۔ اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے مسلمانوں کو برانگیختہ کر دیں، اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے ہندوؤں کو برانگیختہ کر دیں، اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے سکھوں کو برانگیختہ کر دیں اور اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے عیسائیوں کو برانگیختہ کر دیں تو بتاؤ تبلیغی میدان ہمارے لئے کونسا رہ جاتا ہے۔ پس اگر ہم میں سے کوئی شخص اس مذہبی حکم کا قائل نہ بھی ہو تو تبلیغی ضرورتوں کی وجہ سے وہ اس بات کیلئے مجبور ہے کہ غیر جماعتوں سے اچھے تعلقات رکھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو اس کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں۔ ہر قوم میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی اور بُرے لوگوں کو روکنا کوئی آسان بات نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو بعض دفعہ تقریروں کے ذریعہ یا تحریروں کے ذریعہ سخت کلامی کرتے ہیں مگر وہ سخت کلامی یا تو کسی انتہائی غفلت کی حالت میں ہوتی ہے یا عادتاً ہوتی ہے۔ اور جو شخص عادتاً سخت کلامی کرتا ہے وہ بھی اپنی

عادت کی وجہ سے نہ مذہب کو یاد رکھ سکتا ہے نہ مصلحتوں اور ضرورتوں کو۔ یا بعض دفعہ منافق سخت کلامی کرتے ہیں اوران کی اصل غرض جماعت کو بدنام کرنا ہوتی ہے۔

پس ہمیشہ یہ تین قسم کے لوگ ہی جماعت میں سے سختی کرتے ہیں لیکن ہمارا رویہ ان کے متعلق ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ہم ان کی باتوں پر گرفت کرتے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر غفلت سے سخت کلامی ہو تو تب بھی ہم گرفت کرتے اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور اگر عادتاً سخت کلامی ہو تب بھی ہم گرفت کرتے اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی منافقت سے کرے تب بھی اسے سمجھایا جاتا یا اخبار والوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ کیوں ایسے لوگوں کے مضامین شائع کرتے ہیں جن کی اصل غرض ہم پر الزام قائم کرنا ہے ان استثنائی صورتوں کے علاوہ ہماری جماعت کا عام رویہ یہ ہے کہ ہم دوسری قوموں کے متعلق ادب اور احترام کے مقام پر کھڑے ہوں اور ہم کہتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کا دل نہیں دُکھانا چاہیئے۔ ہمارے ہاں کثرت سے ایسی مثالیں موجود ہیں جبکہ دوسروں کے ہاں ایک بھی مثال موجود نہیں کہ جب ہم میں سے کسی نے غیر اقوام کے متعلق سخت کلامی کی تو ہم نے اُسے ڈانٹا اور سزا دی۔ اِس وقت تک تین رسالوں کو مَیں اِس جُرم میں ضبط کر چکا ہوں اور کئی دفعہ اخبارات والوں کو ڈانٹ چکا ہوں بلکہ اخباروں میں اس کا ذکر بھی آچکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کوئی دوسری قوم اپنے میں سے ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی بلکہ دوسری قوموں میں جب کسی سے غلطی ہو جاتی ہے تو وہ ہمیشہ اُس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔

گزشتہ پندرہ بیس سال کی تاریخ دنیا میں موجود ہے اس پر غور کر کے دیکھ لو جب کسی اور قوم کے کسی فرد نے اِس قسم کی غلطی کی یعنی غیر مذاہب والوں کے متعلق سخت کلامی کی تو آیا اُس قوم کے لوگوں نے بحیثیت قوم اس کے متعلق اظہارِ ناراضگی کیا؟ اِس میں شبہ نہیں کہ بعض افراد یا بعض شہروں نے ان پر اپنی ناراضگی اور نفرت کا اظہار کیا مگر وہ بحیثیت جماعت نہ تھا بلکہ بحیثیت افراد تھا۔ اگر سارے ہندوستان کے ہندوؤں میں سے کسی ایک شہر کے ہندوؤں نے کسی ہندو کے فعل پر اظہارِ نفرت کر دیا یا کروڑوں مسلمانوں میں کوئی ایک شخص ایسا کھڑا ہؤا جس نے کسی مسلمان کی سختی کے خلاف آواز بلند کر دی تو یہ جماعت کا فعل نہیں کہلا سکتا بلکہ افراد کا فعل ہے۔ لیکن ہماری طرف سے ہمیشہ ایسی سختی کے خلاف جو قوموں میں تنافر پیدا کرنے والی ہو مِنْ حَیْثُ الْقَوْم آواز اُٹھائی

جارہی ہے۔ چنانچہ یا خلیفۂ وقت کی طرف سے اس کے خلاف اعلان ہوتا ہے یا صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس کے خلاف اعلان ہوتا ہے جن کا اعلان ساری جماعت کا اعلان سمجھا جاتا ہے۔ زید اگر اعلان کرتا ہے کہ فلاں نے غلطی کی تو بکر کہہ دیتا ہے کہ میں اِس غلطی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اِس کے مقابلہ میں جماعت کا امام جب اعلان کرے کہ فلاں شخص نے غلطی کی تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے غلطی نہیں کی گویا یہ نفرت کا اظہار ساری جماعت کی طرف سے ہوتا ہے۔

پس اس معاملہ میں جو طریق اختیار کیا ہے اگر باقی جماعتیں بھی وہی طریق اختیار کرتیں تو کبھی ہندوستان میں فساد نہ ہوتے۔ مثلاً اگر ایک ہندو کے قلم سے کسی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق نازیبا کلمات لکھے گئے ہوں اور ساری ہندو قوم اس سے نفرت کا اظہار کرے تو آئندہ نہ اُسے یہ جرأت رہے کہ وہ مسلمانوں کے متعلق دلآزار کلمات استعمال کرے اور نہ اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کے دلوں میں کوئی غصہ رہے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی حرکت ہو کہ ان میں سے کوئی فرد کسی دوسری قوم مثلاً ہندوؤں کے بزرگوں کی ہتک کردے اور پھر یہ بات مسلمانوں کے علم میں لائی جائے اور وہ اس کے خلاف اظہارِ نفرت کردیں تو اس مسلمان کی بھی اصلاح ہو جائے اور ہندوؤں کا غصہ بھی بالکل فرو ہو جائے کیونکہ آخر جب کوئی مسلمان یا ہندو ایک کتاب لکھتا ہے تو اس کی غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے خریدیں اور پڑھیں لیکن جب وہ یہ دیکھیں کہ غیروں نے تو اسے خریدنا نہیں کیونکہ اس میں ان کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور اپنے اس پر اظہارِ نفرت کر رہے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت بند ہو جاتی ہے اور آئندہ کیلئے اسے یہ حوصلہ نہیں رہتا کہ وہ کوئی منافرت انگیز تحریر شائع کرے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی طرف سے مذہب کے متعلق جب بعض ایسی کتابیں لکھی گئیں جو قابلِ اعتراض تھیں اور مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اُٹھائی تو ان مصنفین نے خود اپنے ہاتھ سے وہ کتابیں جلا دیں۔ اِس کی مشہور مثال مولوی نذیر احمد دہلوی کی کتاب اُمّہات الاُمہ ہے۔ جب یہ پہلی دفعہ چھپی اور مسلمانوں نے اس کے خلاف شور مچایا تو اِس کے مصنف نے خود اِسے جلا دیا۔ اب پھر دوبارہ چھپی تو مسلمانوں کے آواز اُٹھانے پر اُسے چھاپنے والوں نے جلا دیا۔ تو اگر قوم متفقہ طور پر کسی کی سخت کلامی کے خلاف اظہارِ نفرت کرے تو مصنفین کو یہ جرأت ہی نہیں رہتی

کہ وہ دوسروں کے متعلق دلآزار کلمات استعمال کریں۔ کتابیں لکھنے والے مالدار نہیں ہوتے بلکہ اکثر غریب ہوتے ہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ کتاب چھپوا کر انہیں مالی لحاظ سے بھی گھاٹا رہا اور دوسری طرف نہ قوم میں عزت رہی نہ غیروں پر اثر رہا تو وہ اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں اور اس طریق کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر یہی طریق ہندو اختیار کرتے، اگر یہی طریق عیسائی اختیار کرتے اور اگر یہی طریق دوسری اقوام اختیار کرتیں تو نہ کسی قانون کی ضرورت تھی نہ حکومت کے انتظام کی ضرورت تھی، نہ بدنظمی پیدا ہوتی، نہ بدمزگی واقع ہوتی، نہ شور اور فساد پیدا ہوتا، سب بھائی بھائی بن کر رہتے اور فتنہ وفساد سے مجتنب رہتے۔ لیکن چونکہ دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام کی طرف سے یہ طریق اختیار نہیں کیا جاتا اس لئے آپس میں بُغض اور کینہ بھی ترقی کرتا رہتا ہے لیکن ہماری جماعت ہمیشہ امن کے قیام کیلئے اس قسم کی حرکات پر سختی سے نوٹس لیتی ہے اور ان کے انسداد کی پوری کوشش کرتی ہے۔

پھر تبلیغی ضرورتوں کے علاوہ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو قرآن مجید میں موجود ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر خاص زور دیا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کے بزرگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [1]۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ اس تعلیم کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ ہم دوسری اقوام کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہہ سکیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ کے بعد اسلام کے باہر کوئی نبی نہیں آ سکتا تھا اس لئے صرف سکھوں کا سوال رہ جاتا تھا ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتادیا کہ ان کے بانی حضرت باوا نانک صاحب ایک مسلم بزرگ تھے اور جو بزرگ اور ولی اللہ ہو اُس کے خلاف کوئی احمدی اپنی زبان کس طرح کھول سکتا ہے۔ جب ہم حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ولی اللہ تسلیم کرتے ہیں تو ان پر الزام لگانے اور ان کی عیب شماری کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست بھی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ بُرے ہوتے ہیں اور چونکہ بُروں کے دوست بھی بُرے ہوا کرتے ہیں اس لئے حضرت باوا نانک صاحب کی عیب شماری کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس اس تعلیم کے ماتحت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں دی ہم مجبور ہیں کہ گو حضرت باوا صاحب

کو نبی نہ سمجھیں مگر ولی اللہ اور خدا رسیدہ انسان ہونے کی حیثیت میں ان کا ادب اور احترام کریں اور کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں جو اِن کی شان کے خلاف ہو۔ پس اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے ایک ہی قوم باہر رہ جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قوم کے بانی کے متعلق بھی ثابت کر دیا کہ وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے اور اس طرح ان کے متعلق بھی ادب اور احترام کے جذبات رکھنے پر ہم مجبور ہیں مگر کسی قوم کے ایسے لیڈر جو نہ نبی ہیں نہ ولی ان کے متعلق بھی ہماری شریعت یہ حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں بُرا بھلا نہ کہیں اور اگر ہم ان کو گالیاں دیں تو ہم خود اس بات کے محرّک بنتے ہیں کہ وہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس کا ایک نہایت ہی لطیف مثال میں ذکر فرمایا۔

آپ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے کہا بہت ہی ملعون ہے وہ شخص جو اپنی ماں کو گالی دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کوئی شخص اپنی ماں کو کس طرح گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو گویا یہ اپنی ماں کو آپ گالی دیتا ہے [۲]۔

تو ہمارے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ بانیانِ مذاہب کے علاوہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے جن لوگوں کو تم نبی اور رسول یا خدا رسیدہ نہیں سمجھتے ان کا بھی احترام کرو اور انہیں گالیاں مت دو۔ بے شک جائز تنقید کا دروازہ کھُلا ہے ان کی غلطیوں کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان کے سامنے اچھی بات پیش کرنے کی ممانعت نہیں کیونکہ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ لیکن سخت الفاظ کی اجازت نہیں سوائے اس کے کہ جوابی رنگ میں ہوں اور میں بارہا بتا چکا ہوں اور اِس خطبہ کے شروع میں بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ ہم نے عملاً ان باتوں کو کر کے دکھا دیا ہے۔ حکومت کے بارے میں کیسے کیسے خطرناک حالات میں سے ہم گزرے ہیں مگر کس صفائی کے ساتھ۔ نہ صرف حکومت کے خلاف کسی قسم کی بغاوت میں حصہ لینے سے ہم نے اپنے آپ کو بچایا بلکہ دوسروں کو بھی محفوظ رکھا۔ آج اگر حکومت بھول گئی ہو تو بھول جائے کیونکہ بعض لوگوں کا حافظہ خراب ہوتا ہے اور وہ باتوں کو پوری طرح یاد نہیں رکھ سکتے مگر اب بھی قریباً وہ سب افسر موجود ہیں جو ۱۹۱۴ء کی لڑائی کے ایام میں موجود تھے وہ تھوڑی دیر کیلئے اپنے مخالف جذبات کو دبا کر اُن دنوں کو یاد کریں

جب ۱۹۱۴ء میں لڑائی شروع تھی اور سوچیں کہ ۱۹۱۴ء میں ان کے قلب کی کیا کیفیت تھی اور کس طرح وہ وفاداری کے بھوکے نظر آتے تھے۔ اُس دن کس طرح حقیر سے حقیر انسان بھی جوان کی مدد کیلئے ہاتھ بڑھاتا تھا اُسے ادب اور احترام کے مقام پر بٹھانے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔

۱۹۱۴ء کا انگریز کس طرح اپنے ملک کی عزت کو خطرے میں گھرا ہؤا پاتا تھا اُس دن بیشک کہنے کو اخبارات میں یہ اعلان ہوتے رہتے تھے کہ ہم بالکل محفوظ ہیں اور ہماری طاقت دشمن کی طاقت سے بہت زیادہ ہے لیکن انگلستان کے بڑے بڑے جرنیلوں نے تو اب کتابیں لکھ کر اصل حالات کو طشت از بام کر دیا ہے اور ان میں اُن تمام واقعات کا ذکر ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چار سال انگلستان والوں کیلئے عذاب کے سال تھے۔ کئی مواقع ایسے آئے جب انگلستان یہ محسوس کرتا تھا کہ آج وہ اپنی آزادی کو کھو دینے کیلئے بالکل تیار بیٹھا ہے۔ انگلستان کے لیڈر یہ محسوس کرتے تھے کہ قوم کی عزت اِس وقت اتنے خطرے میں ہے کہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اسے ہمیشہ کیلئے کھو بیٹھیں۔ یہ خطرناک دن آئے اور اُن دنوں میں چھوٹی سے چھوٹی امداد کے بھی وہ محتاج ہوئے۔ اُن دنوں پر غور کر کے اور ان واقعات کی یاد تازہ کر کے حکومت کے افسر سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری جماعت نے کس جرأت، کس دلیری، کس بہادری اور کس مردانگی کے ساتھ مخالف حالات میں حکومتِ انگریزی کی مدد کی لیکن کیا ہم نے اس کا کوئی بھی بدلہ لیا؟ ہم نے اس کا ایک شمہ بھر بھی بدلہ نہیں لیا اور نہ لینا چاہتے ہیں۔ مگر کیا ہم یہ حق نہیں رکھتے کہ کہیں کہ ہمیں وہ برطانوی انصاف دیا جائے جس پر برطانوی انصاف کی امید میں ہماری جماعت نے جانیں دیں۔ پھر جنگ میں جب فتح ہوئی تو کوئی سر بنا کوئی نواب بنا، کسی کو مربعے ملے، کسی کو نوکریاں ملیں اور کسی نے کسی طرح کا اعزاز حاصل کیا اور کسی نے کسی طرح کا۔ مگر کیا ہم نے بھی کوئی بحیثیت جماعت گورنمنٹ سے کوئی مطالبہ کیا؟ یا کیا ہمیں بھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی معاوضہ دیا گیا؟ اس میں شبہ نہیں کہ بعض افراد سے حکومت نے اچھا سلوک کیا مگر ہماری خدمات دو طرح کی تھیں۔ ایک وہ خدمات جو مِنْ حَیْثُ الْاَفْرَاد تھیں اور ایک وہ خدمات تھیں جو مِنْ حَیْثُ الْجَمَاعَت تھیں۔ جو خدمات مِنْ حَیْثُ الْاَفْرَاد تھیں ان میں بے شک بعض احمدیوں کو گورنمنٹ نے اعزاز دیا اُسی طرح جس طرح کہ اس نے اور لوگوں کو اعزاز دیا لیکن ہزاروں احمدی ایسے تھے جنہوں نے مرکز

کے ذریعہ حکومت کیلئے قربانیاں کیں اوران کی قربانیوں کا کوئی صلہ گورنمنٹ نے نہ ان احمدیوں کو دیا اور نہ مرکز کو دیا۔ نہ مرکز کی یہ خواہش تھی کہ اسے صلہ ملے اور نہ اب خواہش ہے کہ اسے صلہ دیا جائے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان قربانیوں کا صِلہ وہ بھی نہیں ہوسکتا جو آج ہمیں دیا جارہا ہے۔ کسی وقت انگریز **بیلجیئم** پر حملہ کرنے کی وجہ سے جرمن سے حقارت کرتے تھے اور کہتے کہ اس نے **بیلجیئم** کے پُرانے معاہدہ کو توڑ دیا اور اسے سکریپ آف پیپر کی حیثیت بھی نہ دی۔

میں ان حکّام سے جو اِس وقت پنجاب میں مقرر ہیں کہتا ہوں کہ وہ بیسیوں چِٹھّیاں جو ہماری خدمات، وفاداری اور امن پسندی کے متعلق برطانوی حکّام کی ہمارے پاس موجود ہیں سکریپ آف پیپر کی حیثیت رکھتی ہیں؟ بے شک ہم ان کے بدلے کسی انعام کے طالب نہیں مگر ہم اِس بات کے طالب ضرور ہیں کہ ہمیں امن دیا جائے مگر افسوس کہ وہ امن ہمیں نہیں دیا جارہا۔

پھر خلافت کا جب جھگڑا ہؤا اُس وقت بھی انگریزوں کو خطرناک مشکلات در پیش تھیں۔ جنگ کے بعد انگریز کمزوری محسوس کررہے تھے جنگ کے دنوں میں سوشلسٹ اس ہیجان کی وجہ سے جو ملک میں پیدا ہوگیا تھا دب گئے تھے لیکن جنگ کے بعد ان کی طاقتیں معاً اُبھر آئیں اِدھر آپس میں دل پھٹ چکے تھے اور لُوٹ کے حصوں کو اُڑانے کا شوق ایک دوسرے کے حقوق کو تلف کرنے پر آمادہ کررہا تھا۔ ۱۹۱۹، ۱۹۲۰ء کا فرانس وہ فرانس نہیں تھا جو ۱۹۱۴ء کا تھا، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰ء کا **بیلجیئم** وہ **بیلجیئم** نہیں تھا جو ۱۹۱۴ء کا تھا، ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء کا اٹلی وہ اٹلی نہ تھا جو ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کا تھا کیونکہ وہ ایک سال بعد جنگ میں شامل ہؤا۔ اسی طرح امریکہ ۱۹۱۹ء میں وہ امریکہ نہ تھا جو ۱۹۱۸ء کے شروع میں تھا، دلوں میں بُعد پیدا ہو چکا تھا، لُوٹ کے شوق میں ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کیا جارہا تھا اور ایک دوسرے کے خلاف سخت شکایتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ پھر لڑائی کے بعد قدرتی طور پر جوری ایکشن یعنی ردّ عمل ہوتا ہے اس کی وجہ سے خود اپنی رعایا میں بھی بے چینی اور بددلی پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت انگریزی حکومت کی کمزوری اس امر سے بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ تباہ شدہ روس جس کا ملک تفرقہ اور فساد سے بھرا ہؤا تھا، جس کے اندر کوئی نظام نہ تھا، جس کے پاس کوئی طاقت نہ تھی اُس کے چند مزدور لیڈر جو نہ جنگ سے واقف تھے نہ سیاست سے آگاہ انہوں نے آرچنچل کے مقام پر انگریزی فوجوں کو بُری طرح دِق کیا یہاں تک کہ انگریزوں کو اپنی فوجیں

واپس بُلا لینی پڑیں۔ اسی زمانہ میں تُرک وہ تُرک جن کا ملک تقسیم ہو چکا تھا، وہ تُرک جن کا بادشاہ قیدیوں کی طرح تھا، وہ تُرک جن کے توپخانے اتحادیوں کے قبضہ میں تھے، وہ شکست خوردہ تُرک اپنے سینے تان کر انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور آخر لارڈ کرزن کے ذریعہ ایک معاہدہ ہونے کے بعد انگریزی فوجوں کو واپس آنا پڑا۔ انگریز اُس وقت ساز و سامان میں کمزور نہ تھے، دولت میں کمزور نہ تھے لیکن انہیں نظر آ رہا تھا کہ آج چاروں طرف پھُوٹ ہے اور ہمارا ساتھ دینے کیلئے کوئی تیار نہیں۔ اُس زمانہ میں وہ ہندوستان جس میں تینتیس کروڑ کی آبادی ہے اس کے باشندوں میں ایک سِرے سے لے کر دوسرے سرے تک حکومتِ انگریزی کے خلاف آگ لگ چکی تھی، ہندو سوراجیہ کا مطالبہ کرتے تھے، مسلمان خلافت کا شور مچا رہے تھے اور کوئی جماعت مِنْ حَیْثُ الْجَمَاعَت انگریزوں کے ساتھ نہ تھی ایسے خطرے کے وقت میں جب اپنے اور پرائے سب گھبرا رہے تھے سوائے جماعت احمدیہ کے اور کونسی جماعت تھی جس نے مِنْ حَیْثُ الْجَمَاعَت انگریزوں کا ساتھ دیا؟

مجھے یاد ہے کہ جب رولٹ ایکٹ پر شور اُٹھا تو میں نے اپنی جماعت کے لوگوں کو اِردگرد کے دیہات میں بھیجا کہ وہ وہاں کے رؤساء اور بڑے بڑے لوگوں کو اکٹھا کر کے قادیان میں لائیں تا میں انہیں نصیحت کروں کہ وہ اس فتنہ وفساد میں حصہ نہ لیں۔ بعض خودغرض لوگ ہم میں اور سکھوں میں ہمیشہ لڑائی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بعض پُرانے اور بڈّھے سکھ جو ہمارے خاندان کی پُرانی روایات اور ان کے اثر سے واقف تھے انہوں نے یہ نہ سمجھتے ہوئے کہ میں انہیں کیوں بُلا رہا ہوں مجھے کہلا بھیجا کہ ہم ضرور آئیں گے اور اگر آپ اس موقع پر اپنے خاندان کی پُرانی عظمت قائم کرنا چاہیں تو ہم آپ کا پورا ساتھ دیں گے۔ اُس وقت انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا جذبہ اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ قریب کے گاؤں ''ٹھیکری والا'' سے جو بالکل جاہل گاؤں ہے ایک کثیر تعداد پستولوں کی پکڑی گئی تھی کچھ لوگ وہاں پستولوں سے چاند ماری کی مشق بھی کیا کرتے تھے جب یہ رؤساء آئے اور میں نے مسجد میں جمع کر کے انہیں نصیحت کی کہ آپ انگریزوں کے خلاف شورش میں حصہ نہ لیں تو وہ بھُوکے بھیڑیئے کی طرح ہمارے آدمیوں سے لڑتے تھے مگر ہم نے انہیں سمجھا سمجھا کر اور منّتیں کر کے اِس ارادہ سے انہیں باز رکھا اور علاقہ میں

شورش پیدا نہ ہونے دی۔ پھر یہاں ہی نہیں سارے پنجاب میں ہم نے لوگوں کو بھیجا اور امن قائم کیا۔ وہ وقت ایسا خطرناک تھا کہ اگر ذرا آگ لگ جاتی تو انگریز مصنف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومتِ انگریزی کو شدید صدمہ پہنچتا۔ اُس موقع پر ہم نے گالیاں سُنیں، ماریں کھائیں لیکن حکومت سے غدّاری نہیں کی بلکہ پورے امن سے رہے اور دوسروں کو امن سے رہنے کی تلقین کی۔ کیا اِس کا وہی صِلہ ہے جو آج ہمیں دیا جا رہا ہے؟ ہمارے جذبات اُس وقت دوسرے مسلمانوں سے کم نہیں تھے۔ خلافت تُرکیہ کے گو ہم قائل نہیں مگر اسلامی حکومتوں کی ترقی کی اُمنگیں ہمارے دلوں میں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ہیں بلکہ ہم نے تو کبھی اِس بات سے انکار نہیں کیا کہ اسلامی حکومت کے قیام کے سب سے زیادہ خواب ہمیں ہی آتے ہیں اور خواب آنا تو لوگ وہم سمجھتے ہیں ہمیں تو الہام ہوتے ہیں کہ اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم کی جائیں گی پس ہمیں کتنا دُکھ ہوتا تھا یہ دیکھ کر کہ انگریزی حکومت ہم ہی سے قربانیاں لینے کے بعد تُرکوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے۔ ہمارے دل بھی زخمی تھے اور ہمارے دلوں سے بھی یہ دیکھ کر خون بہہ رہا تھا کہ صرف ایک قابلِ ذکر اسلامی حکومت دنیا میں باقی تھی مگر افسوس کہ اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ہمارے جذبات سے کھیلا گیا ہم نے امن قائم رکھنے کی پوری کوشش کی اور کسی ایسی حرکت کو پسند نہ کیا جس سے حکومت کیلئے مشکلات پیدا ہوں۔

میرے جذبات کی شدت کا ثبوت اِس سے مل سکتا ہے کہ میں نے انہی دنوں مسلمانوں کے سامنے یہ بات پیش کی تھی کہ اگر آپ لوگ پُر امن طریق سے کوشش کریں اور اِس پر زور نہ دیں کہ تُرکوں کا بادشاہ سب مسلمانوں کا خلیفہ ہے صرف یہ کہیں کہ اکثر مسلمان ان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں لیکن باقی مسلمان بھی ان کو واجبُ الاِحترام تسلیم کرتے ہیں تو میں پچاس ہزار روپیہ اور اپنے تمام بیرونی مبلّغ آپ کو اِس غرض کیلئے دینے پر تیار ہوں کہ وہ تُرکوں کی حمایت میں پروپیگنڈا کریں۔ آج ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور اس کی مالی حالت پہلے سے اچھی ہے لیکن ۱۹۱۹ء میں تو بہت ہی کمزور حالت تھی۔ اُس زمانہ کے پچاس ہزار روپے آجکل کے تین چار لاکھ کے برابر ہیں مگر مسلمانوں نے میری تجویز منظور نہ کی اور گاندھی جی کے نان کوآپریشن کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ لیکن اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مجھے حکومتِ تُرکیہ کے

ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا کتنا شدید صدمہ تھا مگر باوجود ان جذبات کے میں نے امن کا طریق اختیار کیا اور اس وجہ سے مجھے مسلمانوں سے گالیاں بھی سننی پڑیں۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا مشورہ صحیح تھا اور باوجود اس کے کہ مسلمان لیڈروں کے ہاتھ میں میرا ٹریکٹ پہنچا اور وہ خط بھی جس میں تجاویز تھیں مگر وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یاد نہیں کہ آپ کی طرف سے ہمیں کوئی ٹریکٹ اور خط ملا ہو۔ اگر ٹریکٹ اور خط پہنچ جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم آپ کا مشورہ قبول نہ کرتے۔

یہ زمانہ گزرا تو اِس کے بعد بھی بیسیوں مواقع ایسے پیش آئے کہ اگر دوسری جماعتوں کو وہی مواقع پیش آتے تو وہ کبھی صبر سے کام نہ لیتیں اور ضرور خون ریزی تک نَوبت پہنچ جاتی۔ مثلاً شہید گنج کے موقع پر جامع مسجد میں پولیس اندر داخل ہونے سے گھبراتی ہے۔ مسلمانوں کا ڈکٹیٹر عَلَی الْاِعْلَان تقریریں کرتا ہے اور سپاہی ڈرتے ہیں کہ ہم مسجد میں کس طرح جائیں وہ مسلمانوں کا مقدس مقام ہے لیکن ہمارے مقدس مقام میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا۔ گورنمنٹ دوسری اقوام کے مقدس مقامات میں بھی تو ایک مرتبہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر کے دیکھے اسے پتہ لگ جائے گا کہ وہاں خونریزی ہوتی ہے یا نہیں؟ مگر ہم نے ان تمام باتوں کو برداشت کیا اور میں نے اپنی جماعت کے لوگوں کو سختی سے روک کر اُن کے دلوں کا خون کر دیا اِس لئے کہ ہماری جماعت کی یہ روایت قائم رہے کہ ہم امن پسند ہیں۔ پھر ان تمام حالتوں میں ہمارا رویہ جہاں ایک طرف حکومت کیلئے پُرامن رہا وہاں ملک سے بھی دوستانہ رہا۔

بنگال میں انارکسٹ انگریزوں کے خون سے کھیل رہے تھے میں نے اپنے خرچ پر انارکِسٹوں کی اصلاح کیلئے وفد بھیجے اور ان کا نہایت مفید اثر ہؤا اور اب جو بنگال میں کام کرنے والے مسلمان موجود ہیں ان کے متعلق تحقیق کر کے دیکھ لیا جائے کہ اب ان کے کیا خیالات ہیں اور ایک دو سال پہلے ان کے خیالات کیا تھے۔ ہمارے مبلّغوں کی اُس وقت کی رپورٹوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح انہیں سمجھا بُجھا کر درست کیا گیا اور ان کے خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ خود حکومت کے انگریز افسروں سے پُوچھا جا سکتا ہے کہ ہم نے کِن حالات میں انارکسٹوں کی اصلاح کا کام کیا۔ جو حالت اُس وقت انگریز افسروں کی تھی اُس کا پتہ اِس سے لگ سکتا ہے کہ ہمارا ایک آدمی جو انارکسٹوں کی اصلاح کیلئے مقرر تھا وہ ایک دفعہ ایک مشہور ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر

سے ملنے گیا۔ ابھی ایک منٹ ہی اُسے بات کرتے گزرا تھا کہ یکدم وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ وہ انگریز ڈپٹی کمشنر اُس سے کہہ رہا ہے ’’ہینڈز اپ‘‘۔ یعنی ہاتھ کھڑے کر دو۔ یہ الفاظ عموماً اُس وقت کہے جاتے ہیں جب کوئی چور، ڈاکو یا قاتل سامنے آجائے اور یہ خیال ہو کہ وہ حملہ کر دے گا اُس وقت فوراً پستول دکھا کر اور ہینڈز اپ کہہ کر تلاشی لی جاتی ہے۔ اس بے چارے نے بھی حیران ہو کر ہاتھ اونچے کر دیئے اور ڈپٹی کمشنر نے پستول سامنے رکھ کر اُس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جب تلاشی کے بعد کوئی چیز نہ نکلی تو اُس نے پوچھا آپ نے تلاشی کیوں لی تھی؟ وہ کہنے لگا میں نے سمجھا تم کوئی انارکسٹ ہو۔ بعد میں دوسرے موقع پر ایک اور انگریز افسر جو فوج میں کرنیل تھا اسے اپنے ساتھ لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا اور بتایا کہ یہ تو بغاوت کے مٹانے کیلئے یہاں کام کر رہا تھا آپ اس سے گھبرا کیوں گئے۔

یہ زیادہ دور کی بات نہیں قریب کے عرصہ میں یہ واقعات ہؤا کرتے تھے مگر ہم نے ان واقعات کو دُور کرنے کی کوشش کی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت حد تک کامیاب ہوئے۔ اس کے ساتھ ہمارا رویہ اپنے ملک کے ساتھ ہمدردانہ رہا کیونکہ ہم نے مُجرم نہیں پکڑوائے بلکہ ان کی کی اصلاح کی کوشش کی اور جب ہمیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص باغیانہ خیالات رکھتا ہے تو ہم نے اُس کے خیالات کو دور کیا ہے۔ چنانچہ کئی انارکسٹ تھے جنہوں نے ہماری کوششوں کی وجہ سے اپنے خیالات کو بدل دیا۔ ہماری جماعت میں بھی بعض لوگ موجود جو پہلے انتہا پسند تھے مگر سمجھانے کے بعد اُن کی اصلاح ہوگئی اور وہ جماعت میں شامل ہوگئے۔ پھر ایسے بھی لوگ ہیں جو اگرچہ ہماری جماعت میں شامل نہیں مگر اس قسم کے خیالات سے انہوں نے ہماری وجہ سے توبہ کر لی۔ تو ہمارا جہاں یہ طریق ہے کہ ہم ملک سے فتنہ وفساد دور کرتے ہیں وہاں ہمارا یہ کبھی طریق نہیں ہؤا کہ ہم مجرموں کے نام گورنمنٹ پر ظاہر کریں اور انہیں پکڑوانے کی کوشش کریں۔ سارے سلسلۂ خدمات میں صرف ایک شخص کا نام ہم نے گورنمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ وہ ہندوستان میں نہیں تھا بلکہ ہندوستان سے باہر کسی اور ملک میں تھا اور ہم اس کو سمجھا نہیں سکتے تھے۔ وہ حکومتِ انگریزی کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کر رہا تھا جب اس کے نام سے حکومت کو اطلاع دی گئی تو پہلے فارن سیکرٹری نے اپنی بے بسی کا اقرار کیا لیکن آخر اس حکومت کی معرفت جس میں وہ رہتا تھا اُسے

وہاں سے نکال دیا گیا جہاں سے وہ حکومت کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

غرض ہم نے حکومتِ برطانیہ کی مدد کے ساتھ اس امر کا بھی ہمیشہ خیال رکھا ہے کہ اپنے اہلِ ملک کی بھی خیر خواہی کریں اور کبھی جاسوسی کا کام نہیں کیا۔ جس شخص کا مَیں نے ذکر کیا ہے کہ اُس کا معاملہ استثنائی ہے اس کے بارہ میں بھی ہم اس لئے مجبور ہو گئے کہ ہم اس کو سمجھا نہیں سکتے تھے ورنہ ہمارا یہ اصول ہے کہ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ نقصان پہنچانے کی۔

یہ چند مثالیں ان بہت سی خدمات کی ہیں جو ہم نے حکومت کے فائدہ کیلئے کی ہیں مگر نہ تو حکومت نے ہماری قدر کی اور نہ قوم نے ہماری قدر کی حالانکہ نہ ہم نے کبھی ملک سے غدّاری کی اور نہ حکومت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ اس کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کیا مگر باوجود اس کے حکومت نے بھی ہمیں بُرا سمجھا اور قوم نے بھی۔ پس ہر منصف مزاج انسان اگر انصاف سے دیکھے تو اسے ہماری امن پسندی کے جذبات کا قائل ہونا پڑتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمیں گزشتہ دو سال کے عرصہ سے نہایت ہی تلخ تجربہ ہو رہا ہے اور کسی ایسے قصور کی وجہ سے جس کا ہمیں علم نہیں ہمارے خلاف بعض حُکّام کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح پتہ لگے ہمارا جُرم کیا ہے مگر ہمیں جُرم کا پتہ نہیں لگا اس لئے کہ جب حکومت کے افسروں سے ملاقات کی جاتی اور اُن سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں ہم تو ناراض نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ ناراض نہیں تو یہ کارروائیاں کیوں ہو رہی ہیں؟

پھر بعض باتیں جو لوگ بناتے ہیں وہ اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ انہیں ماننے کیلئے طبیعت تیار ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً پچھلے دنوں لاہور کے ایک اخبار میں دہلی کے ایک نامہ نگار کا ایک مضمون چھپا تھا کہ ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب احمدیوں سے اِس لئے ناراض ہیں کہ ان کے تقرر سے پہلے احمدیوں نے سرہنری کریک کے متعلق گورنر بننے کی کوشش کی اور ان کیلئے پنجاب میں لوگوں سے دستخط لئے۔ یہ اتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ اس کو ناراضگی کی وجہ قرار دینے کیلئے دل تیار نہیں کیونکہ اگر آپس میں اختلاف ہو بھی جائیں تو یہ ہم تسلیم نہیں کر سکتے کہ اختلاف کے بعد دوسرے کی ذہانت اور قوتِ فکر بھی کم ہو جاتی ہے۔ پس اوّل تو کوئی فہیم انسان اسے ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہو سکتا لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ واقعات اس کے بالکل اُلٹ ہیں جو ظاہر کئے گئے ہیں تو اس بات کا مضحکہ خیز ہونا او

بھی زیادہ نمایاں صورت اختیار کر لیتا ہے۔

میں نے اِس واقعہ کا کبھی اظہار نہیں کیا کیونکہ اس کے نتیجہ میں بعض لوگوں پر حرف آتا ہے لیکن اب جبکہ ایک اخبار میں یہ واقعہ چھپ چکا ہے میں مجبور ہوں کہ اس واقعہ کو بیان کروں۔ واقعہ یہ ہے کہ دو تین جگہ سے مجھے اطلاع ملی کہ بعض لوگ جن کے نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا منٹگمری، امرتسر اور ایک اور ضلع کے لوگوں سے سر ہنری کریک کی تائید میں دستخط کرا رہے ہیں تا ایک میموریل بھیجا جائے کہ آئندہ گورنر سر ہنری کریک کو مقرر کیا جائے۔ سر ہنری کریک ان افسروں میں سے ہیں جن کو ہماری جماعت سے بہت قریب کے زمانہ سے تعلق پیدا ہؤا ہے۔ پہلے پہل شملہ میں ۱۹۳۱ء میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ جب تک وہ پنجاب میں رہے میں نے ہمیشہ انہیں ایک صاف گو دوست پایا اور جب کبھی ان سے کوئی کام پیش آیا مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے ہمیں کبھی مایوس کیا ہو۔ جاتی دفعہ انہوں نے مجھے جو چٹھی لکھی اُس میں انہوں نے صاف طور پر تسلیم کیا کہ جماعت احمدیہ کی وفاداری اور امن پسندی کا اُن کے دل پر گہرا اثر ہے اور یہ امر ان کی تمام عمر کے تجربہ سے ثابت شُدہ ہے، مگر سر ہنری کریک سے بھی پہلے ہم موجودہ گورنر صاحب کو جانتے تھے ان کے تعلقات بھی ہمارے ساتھ دوستانہ تھے۔ جب یہ پنجاب میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر تھے اُس وقت بھی ہمارے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں گئے تب بھی ہم نے انہیں کبھی اپنا بدخواہ نہیں پایا ایسی صورت میں افراد کو مدنظر رکھتے ہوئے ادھر ذہن منتقل ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ ہم ایک کی تائید کرتے اور دوسرے کی مخالفت۔ لیکن ایک بات ایسی تھی جس کی وجہ سے اس میں دخل دینا ہمارے لئے ضروری تھا اور وہ یہ کہ اِس وقت بڑے بڑے انگریز افسروں کے متعلق ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ وہ جنبہ داری نہیں کرتے اور نہ اِن میں پارٹیاں ہوتی ہیں۔ اب اگر دستخطوں کا مرض پھیل جاتا تو پنجاب کے زمیندار طبقہ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا کہ انگریزوں میں بھی پارٹیاں ہوتی ہیں اور وہ بھی انصاف اور عدل کے ماتحت تقرریاں نہیں کرتے بلکہ ان میں بھی ایک دوسرے کی طرفداری کی جاتی ہے اور اس طرح انگریزی حکومت کو پنجاب میں اتنا نقصان پہنچتا کہ کانگرس بھی اتنا نقصان حکومت کو نہیں پہنچا سکی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کی فوجیں حکومت نہیں کر رہیں بلکہ انگریزوں کا رُعب حکومت کر رہا ہے۔

اور انگریزی فوجوں کے متعلق تو وہی حقیقت درست ہے جو ایک کانگرسی نے کہی کہ ۳۳ کروڑ ہندوستانی تو تھوک تھوک کر سپاہیوں کو بہا سکتے ہیں۔ اور واقعہ میں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر لوگ مرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو ۳۳ کروڑ اتنی بڑی تعداد ہے کہ وہ انگریزی فوجوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتی ہے مگر وہ مرنے کیلئے تیار نہیں اور اس لئے تیار نہیں کہ انگریزوں کا دلوں پر رُعب ہے۔ پس انگریزی حکومت کی تقویت فوجوں کے ذریعہ نہیں بلکہ اس کے قومی کیریکٹر، انصاف اور رُعب کی وجہ سے ہے اور یہ چیز ایسی ہے کہ باوجود انگریزوں کو زبان سے گالیاں دینے کے جب اس قوم کی مخالفت کا وقت آتا ہے لوگ یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ خبر نہیں دوسری حکومت اِس سے اچھی ملے یا نہ ملے۔ جس دن یہ خیال لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گیا، جس دن یہ رُعب لوگوں کے قلوب سے جاتا رہا کہ انگریزی حکومت کا انصاف اور قومی کیریکٹر مضبوط ہے اُس دن نہ انگریزوں کی توپیں کام آئیں گے نہ فوجیں کام آئیں گی بلکہ انہیں اپنا بوریا بستر باندھ کر اپنے ملک کو جانا پڑے گا۔

جرمنی سے بھی توپیں وغیرہ لے کر اس کو بے دست و پا کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ تنہا بیلجیئم بھی اسے گھور لیتا تھا مگر آج یورپ کی آدھی طاقتیں ایک طرف جرمنی کو تیوری چڑھا کر دیکھتیں اور دوسری طرف چھلانگ لگا کر دو قدم پیچھے ہٹ جاتی ہیں کہ کہیں جرمن تھپڑ نہ مار دے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بلیاں آپس میں لڑتی ہیں پہلے ایک بلی غرغر کرتی ہے پھر چھلانگ لگا کر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ جرمن بھی نہتا تھا مگر جب اس قوم کے افراد نے کہا ہم اب ذلّت برداشت نہیں کر سکتے اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہوئے تو انگریزوں اور فرانسیسیوں کی توپیں دھری کی دھری رہ گئیں اور انہوں نے خود توپیں اور بندوقیں بنا کر دکھا دیں۔

پس قوم جس دن تیار ہو جاتی ہے اُس دن کوئی طاقت اُس کے ارادوں میں مزاحم نہیں ہوسکتی اور قوم کے تیار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس قوم کے افراد جو فوجوں میں ہوں وہ بھی خلاف ہو جائیں، جو عہدوں پر ہوں وہ بھی خلاف ہو جائیں اور سب مل کر مقابلہ کریں ایسی صورت میں تھوڑی سی انگریزی فوج بھلا کیا کر سکتی ہے۔ لیکن کیوں لوگ انگریزوں کا مقابلہ نہیں کرتے؟ اس لئے کہ وہ دلوں میں سمجھتے ہیں انگریز انصاف کو پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کا یقین ہے کہ جو انگریزی حکومت کو تقویت دے رہا ہے ورنہ انگریزوں کی فوجیں ان کی حکومت کو تقویت نہیں

دے رہے۔ پس اگر دستخطوں کی وباء تمام پنجاب میں پھیل جاتی تو انگریزی دبدبہ پر ایک کاری ضرب لگتی اور لوگ یہ سمجھتے کہ انگریزوں میں بھی تفرقہ ہے وہ بھی جتھہ بازی کے مُرتکب ہیں اور ان میں بھی انصاف قائم کرنے کی روح نہیں رہی۔ میں نے جب اِس خبر کو سنا تو مجھے سخت رنج ہوا۔ میں جانتا تھا کہ سر ہنری کریک ایک نہایت ہی شریف انسان ہیں اور ان کا اس فعل میں دخل نہیں ہوسکتا یہ صرف بعض لوگوں کی چالاکی ہے جو اس طرح اپنی مقبولیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے اس خبر کے معلوم ہونے پر درد صاحب کو سر ہنری کریک کے پاس بھیجا اور اُن کو کہلا بھیجا کہ آپ ہمارے دوست ہیں اور آپ کی مدد کرنا قدرتی طور پر ہمیں مرغوب ہے لیکن پنجاب کے بعض حلقوں میں ایک ایسا کام ہو رہا ہے جس سے آپ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا مگر آپ کی قوم کو نقصان پہنچے گا کیونکہ آخر لوگوں کے دستخطوں پر تو حکومت نے گورنر کا انتخاب نہیں کرنا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کو علم بھی نہ ہوگا اور انگریزوں کا رُعب پنجاب سے مٹ جائے گا کیونکہ عوام یہ خیال کریں گے کہ انگریزوں کے بڑے بڑے آدمی بھی آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ہم اس تحریک کو روکیں اور اسے دبانے کی کوشش کریں۔ میں جانتا تھا کہ پنجاب کے بعض لوگوں کا یہ فعل سر ہنری کریک کے منشاء کے خلاف ہے بلکہ اس کا انہیں علم بھی نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ انہوں نے کہا مجھے اِس بات کا کچھ علم نہیں اور میں آپ کا احسان مند ہوں گا اگر آپ ان لوگوں کا مقابلہ کریں اور انہیں روکیں۔ چنانچہ مختلف جگہوں پر ہم نے آدمی مقرر کئے اور انہوں نے لوگوں کو سمجھایا جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ یہ تحریک دب گئی کیونکہ عموماً ایسی تحریکات چلانے والے کمزور دل کے لوگ ہؤا کرتے ہیں اور جونہی انہیں معلوم ہو کہ ان کا راز فاش ہونے والا ہے وہ دب جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے جو ہؤا۔ اِس کے ہوتے ہوئے میں یہ کسی طرح تسلیم نہیں کرسکتا کہ ہزایکسی لینسی گورنر پنجاب پر اس بات کا کوئی اثر ہو یہ بالکل بچوں کی سی بات ہے اور خطبہ میں مَیں نے اس لئے اس واقعہ کا ذکر کر دیا ہے کہ سر ہنری کریک بھی اِس واقعہ کو پڑھ لیں اور گواہ رہیں کہ میں نے اس واقعہ کو صحیح طور پر پیش کیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ درد صاحب نے مجھے جو کچھ آ کر بتایا اُس میں کوئی غلطی نہ تھی ممکن ہے جو لوگ سر ہنری کریک کی تائید میں دستخط کر رہے تھے انہوں نے جب دیکھا ہو کہ ان کی سازش کا راز

فاش ہو گیا ہے تو انہوں نے ہمارا نام لے دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ احمدی دستخط لے رہے تھے۔ اِس کو میں ماننے کیلئے تیار ہوں لیکن اس امر کو تسلیم کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب پر اِس کا کوئی اثر ہو۔ پس واقعہ جو ہے وہ اس کے بالکل اُلٹ ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ ہم نے سرہنری کریک کی تائید میں دستخط نہیں کروائے بلکہ اُن دستخطوں کو رُکوایا اور سرہنری کریک تک بات پہنچائی کیونکہ یہ محض بعض لوگوں کی چالبازی تھی جو چاہتے تھے کہ اپنے لئے ترقی کی کوئی راہ نکالیں مگر انہوں نے اپنی ترقی کے شوق میں یہ نہ سوچا کہ وہ انگریزی حکومت کی جڑوں پر تبر رکھ رہے ہیں۔ پس میں آج اِس راز کو کھول دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیتا ہوں کہ میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ ہز ایکسی لینسی کی طبیعت پر اِس واقعہ کا کسی رنگ میں کوئی اثر ہو۔ پھر کیا بات ہے اور کس جگہ سے یہ امر شروع ہؤا ہے اس کا ہمیں آج تک علم نہیں ہو سکا۔ بعض لوگ بتاتے ہیں کہ پنجاب گورنمنٹ سے شروع ہؤا اور نیچے آیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نیچے سے شروع ہؤا اور اوپر گیا، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ گورنمنٹ آف انڈیا سے نیچے آیا مگر بہرحال کہیں سے یہ بات شروع ہوئی نتیجہ یہ ہے کہ متواتر ایسی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ جماعت کا امن برباد کیا جائے اور اس کی طاقت کو توڑا جائے۔

یہ تو میں بارہا بتا چکا ہوں کہ ہماری جماعت کو توڑنے کی کسی میں ہمت نہیں۔ یہ وہ کونے کا پتھر ہے کہ جو اِس پر گرا وہ بھی ٹوٹا اور جس پر یہ گرا وہ بھی چکنا چُور رہوا۔ اگر حکومت کے کسی افسر کا یہ خیال ہے کہ وہ احمدیت کو مٹا سکتا ہے تو یہ بالکل ناممکن بات ہے۔ وہ افسر مجھ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جماعت کے ہر شخص کو فرداً فرداً نقصان پہنچا سکتے ہیں، حتّٰی کہ وہ ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام قتل کئے گئے تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں حکومت قتل نہیں کر سکتی یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ نے حکومت کو جو طاقتیں دی ہیں ان کے ماتحت وہ ایسا کام کر سکتی ہے، چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز، مگر جماعت میرا نام نہیں، جماعت زید کا نام نہیں، جماعت بکر کا نام نہیں بلکہ جماعت اُس تعلیم کا نام ہے جسے زید، بکر، عمر، خالد کسی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں پھیلانا ہے۔ اِس چیز کو مٹانے کی کسی میں طاقت نہیں اور عقلمند انسان تو اتنی سی بات سے ہی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ مٹنے والی تحریکیں ہمیشہ ہی

ایک جگہ محدود ہوتی ہیں۔ اگر ہم پنجاب میں محدود ہوتے تو صرف پنجاب میں محدود ہونے کی وجہ سے کوئی خیال کرسکتا تھا کہ وہ ہمیں مٹا دے گا مگر ہم تو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر پنجاب کے حُکّام دُنیوی اصول کے ماتحت بھی کس طرح خیال کر سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کو وہ مٹا سکتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو ایک دفعہ مردم شُماری کا حکم دیا۔ مردم شُماری کی گئی تو پتہ چلا کہ سات سَو مسلمان ہیں۔ اس پر صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ نے کیوں مردم شماری کرائی؟ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اب ہمیں کوئی مٹا سکتا ہے۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اب تو ہم سات سَو ہو گئے ہیں[۲]۔ پس ہم تو ان لوگوں کے جانشین ہیں جو سات سَو ہو کر سمجھتے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں مٹا نہیں سکتی۔ گورنمنٹ تسلیم کرتی ہے کہ پچھلی مردم شماری میں جماعت احمدیہ کی تعداد صرف پنجاب میں ۵۶ ہزار تھی۔ جب ہماری تعداد اس کی اپنی تسلیم شُدہ تعداد کے مطابق صرف پنجاب میں ۵۶ ہزار تھی تو ہم تو ان لوگوں کی اولاد ہیں جو سات سَو ہو کر مٹنے کا نام نہیں لیتے تھے پھر ہم ۵۶ ہزار ہو کر کس طرح خوف کھا سکتے ہیں۔

کوفہ کے لوگ ہمیشہ جھگڑتے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے روز روز کے جھگڑے سن کر کہا اب میں ان پر ایک ایسا گورنر مقرر کروں گا جو انہیں سیدھا کر دے گا۔ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو بھیجا جو اُنیس سال کے تھے جب کوفہ والوں کو پتہ لگا کہ ایک اُنیس سالہ نوجوان ان کا گورنر بن کر آیا ہے تو انہوں نے تجویز کیا کہ آؤ اس سے کوئی تمسخر کریں۔ چنانچہ بڑے بڑے آدمی جبے پہن کر اس سے ملنے کیلئے گئے اور سوال کیا جناب کی عمر؟ جب رسول کریم ﷺ نے اسامہ کو ایک بہت بڑا جیش دے کر جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے لڑائی کیلئے بھیجا تھا اُس وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، جب کوفہ والوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے پوچھا جناب کی عمر؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ میری عمر پوچھتے ہو؟ جس وقت رسول کریم ﷺ نے اُسامہ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا افسر بنا کر بھیجا تھا اُس وقت جو عمر اسامہ کی تھی اُس سے ایک سال زیادہ ہے۔

میں بھی ان لوگوں سے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرام نے جب سمجھا تھا کہ اب ہم

سات سَو ہو گئے ہیں ہمیں اب کون تباہ کرسکتا ہے تو صحابہ کی اُس وقت کی تعداد سے اب ہم کم سے کم دوسَو گُنے زیادہ ہیں اور ہم محدود نہیں قادیان میں، ہم محدود نہیں پنجاب میں، ہم محدود نہیں یو۔ پی میں، ہم محدود نہیں ہندوستان میں بلکہ ہم افغانستان میں بھی ہیں، ہم روس میں بھی ہیں، ہم چین میں بھی ہیں، ہم جاپان میں بھی ہیں، ہم سماٹرا میں بھی ہیں، ہم جاوا میں بھی ہیں، ہم سٹریٹ سیٹلمینٹس میں بھی ہیں، ہم امریکہ میں بھی ہیں، ہم افریقہ میں بھی ہیں، ہم یورپ میں بھی ہیں، ہم بِلادِ عربیہ میں بھی ہیں، اِسی طرح ہم مشرق میں بھی ہیں اور مغرب میں بھی اور دنیا میں خدا کے فضل سے ہم روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ پس ہمارے بیج کو کوئی ایک حکومت کوئی دو حکومتیں بلکہ کوئی تین حکومتیں مل کر بھی تباہ نہیں کرسکتیں اور نہ ان کا متفقہ عزم دُنیوی طور پر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور الٰہی طور پر تو ہم یقیناً محفوظ ہیں اور اُس خدا کے ہاتھ میں ہیں جس پر کوئی تلوار نہیں چلا سکتا۔

غرض میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ ہمارے خلاف یہ کیوں شورش ہے اور اس کی تہہ میں کونسی بات کام کررہی ہے اور چونکہ میں ہز ایکسی لینسی کا ذکر کررہا ہوں اس لئے اِس دَوران مَیں ایک اور بات بھی بیان کردینی چاہتا ہوں۔ پچھلے سال کے آخر میں اتفاقی طور پر ہمارا ایک جگہ اجتماع ہو گیا اور ہز ایکسی لینسی کی مہربانی سے ان سے مجھے ملاقات کا موقع مل گیا۔ اُن کی گفتگو کا جو اثر اُس وقت میرے دل پر تھا وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں پر کامل اعتماد رکھتے ہیں اور وہ یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ ہمارے ساتھ بد دیانتی کا سلوک ہوتا ہے۔ دوسری طرف میری طبیعت پر یہ اثر بھی تھا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ جماعت احمدیہ اور حکومت میں جو اختلاف واقع ہو گیا ہے اسے مٹانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ ذاتی رویہ ان کا نہایت ہی شریفانہ اور ان کے عہدہ کے بالکل مناسبِ حال تھا۔ پس گو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک ان کا نقطۂ نگاہ اپنے ماتحتوں کے متعلق نہ بدلے ہم کسی متفقہ اصول پر نہیں پہنچ سکتے لیکن یہ ضرور ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم موجودہ حالات کی ذمہ داری کی ابتداء ان کی طرف منسوب کریں۔ پس میرا فرض ہے کہ میں اپنے شکوک وشبہات کو اِدھر اُدھر پھیروں اور ان کا کوئی اور سبب معلوم کروں۔ اس ملاقات کے بعد خطبہ میں مَیں نے اعلان کردیا تھا کہ بعض حالات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت میں ایک تغیر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ افسر بھی تبدیل کئے گئے اور کچھ لوکل افسر جو قادیان میں شورشیں برپا کررہے تھے ان میں بھی کمی

واقع ہوگئی اور میرا خیال ہے، میں نہیں جانتا وہ صحیح ہے یا نہیں کہ اس گفتگو کے نتیجہ میں ہز ایکسی لینسی نے مناسب سمجھا کہ اپنے افسروں کو یہ ہدایت کر دیں کہ یہ اثر نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ حکومتِ پنجاب احمدیوں کو تکلیف دینا چاہتی ہے۔ غرض حکومت میں تبدیلی شروع ہوئی اور میں نے فراخدلی سے اس تبدیلی کا اعلان کر دیا۔ اگر یہ حالات قائم رہتے تو ممکن ہے وہ ناخوشگوار باتیں جو حکومت اور ہمارے درمیان تھیں جاتی رہتیں اور ممکن ہے ہم پھر اس مقام پر آجاتے کہ اطمینان اور سکون کے ساتھ ملک کی خدمت میں حصہ لے سکتے اور حکومت کی بھی مدد کر سکتے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ خاموشی اور سکون زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا اور کئی تبدیلیاں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ پہلی تبدیلی جو یکدم نظر آئی وہ یہ تھی کہ ریتی چھلہ کی زمین کے متعلق حکومت کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا حالانکہ عام حالات میں جب ایک شخص کہتا ہے کہ میرا حق ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ میرا حق ہے تو اس کا علاج یہی ہوا کرتا ہے کہ جس کا قبضہ ہو اُس کے خلاف دوسرا فریق مقدمہ دائر کر دیتا ہے یہی طریق یہاں اختیار کیا جانا چاہئے تھا لیکن کیا یہ گیا کہ حکومت نے اپنے خرچ سے ایک غیر معروف قانون کے ماتحت ہمارے خلاف فوجداری مقدمہ کھڑا کر دیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس زمین کو ہماری قرار دیا جائے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ ہمارے مخالف کی قرار دیا جاتا کیونکہ حق کا فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور عدالت میں مقدمہ پیش ہے مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ حکومت کا یہ فعل یقیناً انصاف کے خلاف تھا کہ وہ عدالت میں اپنے خرچ سے ہمارے خلاف مقدمہ کھڑا کرتی۔ بے شک خاص حالات میں حکومت خاص طریق عمل کی بھی محتاج ہوتی ہے مگر یہاں وہ حالات پیدا نہ تھے۔ بہرحال یہ مقدمہ عدالت میں ہے اور وہی فیصلہ کرے گی اور چونکہ قانون ہمیں اس کے متعلق کچھ کہنے سے روکتا ہے اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ ہاں مقدمہ کا چلانا ایک ایگزیکٹو عمل ہے۔ ایک مجسٹریٹ بھی جب مقدمہ چلائے تو ایگزیکٹو حیثیت میں ہی چلائے گا۔ جیسے ڈپٹی کمشنر جب کوئی مقدمہ پیش کرے گا تو بحیثیت ڈپٹی کمشنر پیش کرے گا لیکن جب مقدمہ سنے گا تو بحیثیت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سنے گا۔ پس میرے نزدیک اس مقدمہ کے چلانے کی ذمہ داری حکومت پر ہے نہ کہ عدالت پر۔ اور میرے نزدیک احسن طریق یہ تھا کہ دونوں فریق کو چھوڑ دیا جاتا کہ ان میں سے جو چاہے عدالت میں چلا جائے مگر حکومت یکدم سرکاری خرچ پر مقدمہ چلوا دیتی ہے اور

اس زمین کے متعلق مقدمہ چلا دیتی ہے جس کے متعلق پنجاب کے ایک اعلیٰ افسر نے جس کا نام میں نہیں لیتا چوہدری ظفر اللہ خانصاحب سے ایک ملاقات کے موقع پر کہا کہ میں نے اس زمین کے کاغذات منگوا کر دیکھے ہیں اور ایک لمبے عرصہ تک ان کا مطالعہ کیا ہے اگر مجھ پر ثابت ہو جاتا کہ یہ زمین احمدیوں کی نہیں تو میں ضرور دیواریں گروا دیتا۔ اسی طرح ایک افسر نے مجھ سے کہا کہ پہلے ہمیں غلط رپورٹ پہنچی تھی بعد میں ہمیں معلوم ہوًا کہ وہ دو زمینیں جن کے متعلق جھگڑا ہے وہ آپ کی ہیں۔ ان دو باتوں کے بعد جب یکدم سرکاری طور پر مقدمہ چلایا جائے تو ہمیں حیرت و استعجاب کا لاحق ہونا ایک لازمی امر ہے اور ہمیں تعجب ہے کہ اس قدر علم حاصل کر لینے کے بعد کون سی ایسی نئی بات پیدا ہوئی کہ یہ کارروائیاں ہونے لگیں۔ مجھے نہیں معلوم یہ مقدمہ چلانے کا حکم پنجاب کے کسی افسر نے دیا یا ضلع کے کسی افسر نے کہا۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ ظاہر کرے۔ اگر وہ ظاہر کرے تو پتہ لگ سکتا ہے نہیں تو ہمیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کس کے کہنے پر یہ مقدمہ چلایا گیا۔ ہم تو یہی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک غیر معمولی تغیر حکومت میں پیدا ہوًا اور جب ہم اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ چار پانچ مہینہ خاموش رہنے کے بعد اِدھر مقدمہ شروع ہوًا اُدھر اِس نیت سے دو احراری آ گئے کہ وہ ریتی چھلہ کے احاطہ کے دروازوں میں سے گزریں گے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیواریں تو چار پانچ ماہ سے بنی ہوئی تھیں ان چار پانچ مہینوں میں قادیان والوں کو تو وہاں سے گزرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن پانچ مہینہ کے بعد جب حکومت نے مقدمہ چلا دیا تو یکدم دو احراریوں کو وہاں سے خاص طور پر گزرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا اس کا صاف طور پر یہ مطلب نہیں کہ بعض افسروں نے مقدمہ میں اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کیلئے اشارہ کر کے ان دو آدمیوں کو بھجوایا تھا کیونکہ اس دفعہ کے ماتحت جس کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا ہے فساد کا خطرہ بھی ضروری ہے۔ پس پانچ مہینے پہلے تو کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہوًا لیکن جب گورنمنٹ نے مقدمہ کھڑا کر دیا تو کسی ایسے افسر نے جسے اس بات سے دلچسپی تھی کہ مقدمہ ضرور جیتا جائے اشارہ کر دیا کہ دو احراری چلے جائیں اور زبردستی دروازوں میں داخل ہوں اس کے بعد جب احراری یہاں پہنچتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ پولیس جب گرفتار کرتی ہے تو احرار کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کر لیتی ہے جو مالکِ زمین کی طرف سے حفاظت پر کھڑے ہوئے تھے حالانکہ ہائی کورٹ کے

قریب کے فیصلے موجود ہیں بلکہ موجودہ چیف جسٹس جو نہایت ہی سمجھدار انسان ہیں جنہوں نے برطانوی انصاف کی دھاک بٹھادی ہے اور جن کے مخالف بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایک دیانتدار انسان ہیں اور انصاف کی خواہش رکھتے ہیں انہوں نے کئی فیصلوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مقبوضہ یا مملوکہ چیز کی حفاظت کررہا ہوتو اس حفاظت میں اگر وہ حملہ آور کا شدید مقابلہ بھی کرے تو وہ مجرم نہیں۔ ایک اور جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے کا حق چھیننے کیلئے اس سے لڑے اور دوسرا مار ہی کھاتا رہے اس کا سختی سے مقابلہ نہ کرے تو خود حفاظتی کا قانون گورنمنٹ نے کیوں بنایا ہے؟ پس ہمارے آدمی اپنے ایک حق کی حفاظت کررہے تھے اور احراری بے جا طور پر اس حق کو چھیننا چاہتے تھے مگر پولیس نے نہ صرف احراریوں کو گرفتار کیا بلکہ حفاظت کرنے اور پہرہ دینے والوں کو بھی گرفتار کرلیا۔

کوئی شخص سوال کرسکتا ہے کہ آپ بے شک اس زمین پر اپنا حق جتاتے ہیں لیکن گورنمنٹ تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ آپ کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا اعتراض حق کی بناء پر نہیں اس کا فیصلہ تو عدالت میں ہوگا۔ ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ جب ہمارے خلاف مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے تو اس امر کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس زمین پر اس وقت ہمارا قبضہ ہے ورنہ اگر ہمارا قبضہ تسلیم نہیں تو ہمارے خلاف مقدمہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ پس جب ہمارا قبضہ تسلیم کرلیا گیا ہے تو جب تک عدالت ہمارے قبضہ کو نہ تڑوائے سرکاری محکموں کو ہمارے ساتھ وہی سلوک کرنا ہوگا جو ایک جائز قابض کے ساتھ کیا جاتا ہے اور عدالت کے فیصلہ تک پولیس اور حکومت کا فرض تھا کہ اس احاطہ میں داخل ہونے والوں کے خلاف کارروائی کرتی اور ہمارے آدمیوں کی مدد کرتی۔ ہاں اگر عدالت فیصلہ کردیتی کہ یہ احمدیوں کا حق نہیں تو اس کے بعد اس کا فرض تھا کہ ہمارے مخالفوں کی حفاظت کرتی۔ مگر جب تک عدالت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اور معاملہ عدالت میں زیرِغور تھا اُس وقت تک حکومت خود مقدمہ چلا کر یہ تسلیم کرچکی تھی کہ اس زمین پر احمدیوں کا قبضہ ہے اور جس قبضہ کو حکومت تسلیم کرچکی تھی اس قبضہ کی حفاظت کرنے والوں کو پکڑنا ایک ایسی بات ہے جس کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں اور نہ کوئی اور اسے سمجھ سکتا ہے۔

یہ تبدیلی حکومت کے رویہ میں کیوں ہوئی؟ چاہے لوکل حُکّام کی وجہ سے ہوئی یا اوپر کے

حُکّام میں سے کسی نے یہ خیال کیا کہ لوکل حُکّام تو ڈھیلے ہوگئے ہیں میں ہی کوئی تماشہ کروں۔ بہرحال اس میں کوئی راز ہے جو ہماری سخت دل شکنی کا باعث ہے اور یہ بات ہمیں بتاتی ہے کہ حکومت سے قریب کے زمانہ میں ہمیں کسی اچھی تبدیلی کی امید نہیں ہوسکتی۔

مجھے یہ شبہ کہ اس معاملہ میں حکومت کے بعض افسروں کا دخل ہے اس لئے بھی ہے کہ ان دو احراریوں کے یہاں آنے سے تین دن پہلے احرار کے دفتر سے مجھے رپورٹ ملی کہ ایک شخص جس کا نام زید رکھ لو دوسرے شخص کے پاس جس کا نام بکر رکھ لو گیا اور اسے کہا کہ آپ فلاں شخص کو خط لکھ دیجئے کہ فلاں دن دو آدمی یہاں ضرور بھیج دے اور فلاں شخص سے بھی مَیں مل چکا ہوں اور وہ فلاں شخص حکومت کا ایک افسر تھا۔ اس کے تیسرے دن دو احراری آجاتے ہیں اور ریتی چھلہ کے دروازوں میں سے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو اشاروں میں بات ہوئی تھی وہ اسی واقعہ کے متعلق تھی اور چونکہ اس رپورٹ میں ایک افسر کا نام بھی آتا تھا اس لئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کسی افسر کی اس میں انگیخت ہے۔ ہم یہ بات بالا افسروں کے پاس ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ یہ بات اشاروں میں ہوئی تھی، نہ ہم اپنے انفارمر کا پتہ دے سکتے ہیں، نہ خبررسانی کے طریق کی اسے اطلاع دے سکتے ہیں کیونکہ ممکن ہے وہ اسے جھوٹ کہہ دیں گو وقوعہ کی پہلے سے خبر دے دینا جھوٹ نہیں بلکہ علم غیب ثابت کرتا ہے۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے ایک اور واقعہ ہوا جو ہمارے لئے حیرت کا موجب ہؤا اور وہ یہ کہ ولایت سے ایک سیاح ہندوستان میں آیا۔ اس کے بعض احمدیوں سے گہرے تعلقات تھے چنانچہ اِسی بناء پر لاہور سے روانگی کے بعد وہ بعض احمدیوں کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا مگر ہمیں معلوم ہؤا ہے کہ لاہور میں حکومتِ پنجاب کے بعض افسروں نے ہماری جماعت کے خلاف اس کے کان بھرے اور اِسی وجہ سے اگرچہ وہ قادیان آنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر بغیر قادیان آئے واپس چلا گیا۔ لاہور سے روانگی کے بعد اور بعض احمدیوں کا مہمان ٹھہرنے کے بعد وہ اپنے فعل پر پچھتایا اور اُس نے ایک خط میں اس امر پر افسوس کا اظہار کیا اور لکھا کہ روز بروز میرا افسوس بڑھ رہا ہے کہ میں نے اس بارہ میں غلطی کی ہے۔ اِس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ حکومت پنجاب کے افسروں کے کم سے کم ایک حصہ کے قلوب میں احمدیوں کے متعلق جو منافرت تھی وہ ابھی دُور نہیں ہوئی۔

تیسری مثال یہ ہے کہ پرسوں اترسوں مجھے ایک ایسے دوست کی روایت پہنچی ہے جو ہماری جماعت میں شامل نہیں مگر چونکہ وہ لاہور میں ایک اعلیٰ عہدہ پر رہے ہیں اس لئے گورنمنٹ کے بعض افسروں سے ان کے اچھے تعلقات ہیں۔انہوں نے اپنے ایک احمدی دوست کو بتایا ہے کہ ایک ذمہ دار افسر نے اپنے دفتر میں یہ نوٹ کروایا ہے کہ مرزا صاحب کے دو بیٹے آئی۔سی۔ایس کے امتحان کیلئے ولایت گئے ہوئے ہیں اگر وہ پاس ہوکر آجائیں تو انہیں پنجاب میں نہ لگایا جائے۔ یہ خبر اگر صحیح ہے تو بتاتی ہے کہ حکومت کے افسروں کے دلوں میں ابھی تک تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور نچلے افسروں کے جھوٹوں کو سچ تسلیم کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں اِس میں میرے نزدیک کئی باتیں قابلِ اعتراض ہیں۔

الف: وہ لڑکے ابھی تعلیم حاصل کررہے ہیں اور امتحان میں پاس ہی نہیں ہوئے۔پس ابھی سے یہ نوٹ کرنا کہ جب وہ پاس ہوکر آئیں تو انہیں پنجاب میں نہ رکھا جائے اور اس طرح اپنے بُغض کا اظہار کرنا نہایت ہی گِری ہوئی بات ہے۔ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان سے نوکری کرانا ہی نہ چاہے اور ممکن ہے وہ پاس ہی نہ ہوں ہمیں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا کیا علم ہے۔پس انہیں اُس وقت تک انتظار کرنا چاہئے تھا جب تک وہ پاس ہوکر یہاں نہ پہنچ جاتے مگر پہلے سے ہی پیش بندی کے لئے تیار ہو جانا ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کسی نے اپنے دوست سے کہا تھا میاں! تمہاری کُتیا نے سنا ہے بچے دیئے ہیں اور وہ بہت اچھے ہیں ایک بچہ ہمیں بھی دو۔وہ کہنے لگا بچے تو دیئے تھے مگر وہ مر گئے لیکن اگر وہ زندہ رہتے تب بھی میں تمہیں نہ دیتا۔وہ کہنے لگا اب تو مر چکے تھے تمہیں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اگر زندہ ہوتے تب بھی نہ دیتا۔اسی طرح ابھی تو وہ موقع آیا ہی نہیں اور یہ

ع آب نہ دیدہ موزہ کشیدہ

کے مطابق پہلے ہی اس کیلئے تیاریاں کررہے ہیں۔پس اگر یہ بات صحیح ہے تو اس افسر نے سیاستاً بھی ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور خواہ مخواہ دلوں کو حکومت سے پھیرنے کی کوشش کی ہے۔

دوسرے یہ صحیح نہیں کہ میرے دو بیٹے ولایت آئی۔سی۔ایس کی تعلیم کیلئے گئے ہوئے ہیں۔جو اِس غرض سے گئے ہیں وہ میرے بھتیجے ہیں۔میرا صرف ایک بیٹا انگلستان میں تعلیم پارہا ہے مگر وہ اس نوکری کیلئے نہیں گیا بلکہ اس کی عمر بھی اسے اس عُہدے کے قابل نہیں رکھتی۔پہلے میں

نے اُسے قرآن مجید حفظ کرایا، پھر مولوی فاضل تک تعلیم دلائی، پھر انگریزی علوم پڑھائے۔ ایسا طالب علم کہاں اس عمر کے اندر تعلیم ختم کرسکتا ہے جو نوکری کیلئے ضروری ہے۔ پس وہ ولایت کسی نوکری کیلئے نہیں گیا بلکہ علم کی زیادتی کیلئے گیا ہے۔ باقی رہے میرے بھتیجے سو میرے تعلق کا اگر میرے بھتیجوں پر یہ اثر پڑے کہ انہیں سرکاری ملازمت میں نہ لیا جائے تو یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ گورنمنٹ یہ نوٹس شائع کردے کہ آئندہ جماعت احمدیہ کے افراد کو سرکاری ملازمتوں میں نہ لیا جائے۔ مگر حکومت کا یہ اعلان نہ کرنا اوراس وجہ سے کہ اسے مجھ سے کسی قسم کی شکایت ہے میرے بھتیجوں کے مستقبل پر اثر ڈالنا یہ امران افسران کے کسی زیادہ اچھے اخلاق پر دلالت نہیں کرتا۔ حالانکہ حکومتیں بھی اخلاق کی ویسی ہی پابند ہوتی ہیں جیسی رعایا۔ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں کامیاب کردیا تو پھر پنجاب کیا اور یو۔ پی کیا اور بنگال کیا اور بمبئی کیا جو تعلیم کیلئے انگلستان جاسکتے ہیں وہ ملازمت کیلئے پنجاب سے باہر بھی رہ سکتے ہیں لیکن اگر وہ پنجاب میں لگ جائیں تو حکومت کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ان کی وجہ سے برٹش امپائر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آخر آئی۔سی۔ ایس حکومتِ ہند کے کامرس ممبر سے زیادہ با حیثیت نہیں ہوتے۔ پھر جب ظفر اللہ خان کی موجودگی میں برطانوی حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو ان دو لڑکوں کی موجودگی میں اسے کیا نقصان پہنچ جائے گا۔ دراصل اِس قسم کی باتیں صرف دلوں میں میل پیدا کردیتی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ پھر اس قسم کی باتوں کا یہ واضح مطلب ہے کہ گورنمنٹ کہتی ہے کہ غیر احمدیوں کو لے لو، سکھوں کو لے لو، عیسائیوں کو لے لو، کانگرسی خاندانوں کے بچوں کو لے لو، انتہاء پسند خاندانوں کے لڑکوں کو لے لو مگر احمدیوں کو نہ لو۔ گویا وہ احمدیوں کو حکومت کے مخالف گروہوں سے بھی بدتر سمجھتی ہے لیکن حکومت تسلی رکھے میرے بیٹے اگر میرے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوئے تو ان کا فرض ہوگا کہ وہ کبھی انگریزوں کی نوکری نہ کریں۔

میں نے اپنے جتنے لڑکوں کو تعلیم دلائی ہے اُن میں سے کسی کے متعلق یہ مدّ نظر نہیں رکھا کہ اسے نوکری کرائی جائے۔ صرف ایک لڑکا ایسا ہے جسے میں نے ڈاکٹری پڑھوائی ہے اور ممکن ہے ایک دو اور کو بھی کوئی ایسا ہی علم پڑھاؤں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ علوم بھی سلسلہ کی خدمات کیلئے ضروری ہیں۔ ایسے بچوں کو اگر تجربہ وسیع کرنے کیلئے تھوڑی مدت کیلئے نوکری کرنی پڑی تو وہ بھی

جائز ہوسکتی ہے کیونکہ ڈاکٹری کیلئے ضروری ہے کہ مریض ہوں اوران کا علاج کر کے تجربہ کو وسیع کیا جائے اور پرائیویٹ پریکٹس میں ابتدا میں کافی مریض مہیا نہیں ہو سکتے اس لئے اگراس مقصد کیلئے ایک دوسال انگریزوں کی ملازمت کر لی جائے تا تجربہ ہو جائے تو یہ ملازمت نہیں بلکہ تعلیم کا زمانہ ہی کہلائے گا۔ ورنہ نوکری تو ایسی چیز ہے کہ میں اس کا نام سُن کر بھی گھبراتا ہوں اور میرے خدا تعالیٰ سے جو تعلقات ہیں اور جس نگاہ سے میں نے اپنے تعلقات کو ہمیشہ دیکھا ہے اس کی رو سے تو میری حیثیت ایک غلام کی ہے اور اسلام کا یہ مسئلہ ہے کہ غلام کے بچے بھی غلام ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نقطۂ نگاہ سے میں نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے اگر اسی نقطۂ نگاہ سے میرے بچے بھی اپنے ربّ کو دیکھیں گے تو وہ اور جا کہاں سکتے ہیں۔ غلام تو اُسی دروازہ پر رہتا ہے جہاں اس کا آقا ہو۔

یہ خبر تو مجھے پرسوں ملی ہے مگر سات آٹھ دن ہوئے میرے بعض بچوں نے جب پرائمری پاس کی تو وہ آپس میں آئندہ پڑھائی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اِس خیال سے کہ ان کے دل کے ارادوں کا جائزہ لوں ایک چھوٹے بچے کو بلایا اور اس سے پوچھا بولو انگریز کی نوکری اچھی ہے یا اللہ تعالیٰ کی؟ وہ کہنے لگا خدا کی۔ میں نے کہا اگر خدا تعالیٰ کی نوکری اچھی ہے تو وہ پھر مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے سے مل سکتی ہے۔ تو باوجود انگریزی حکومت کا ادب واحترام دل میں رکھنے کے، باوجود اس سے تعاون کرنے کے اور باوجود اس عقیدہ میں دشمنوں کی طرف سے شدید مخالفتیں برداشت کرنے کے انگریزوں کی ملازمت اپنی اولاد کیلئے مَیں پسند نہیں کرتا بلکہ میں یہی پسند کرتا ہوں کہ جس دروازہ کی غلامی مجھے نصیب ہوئی ہے خدا تعالیٰ اسی دروازہ کی غلامی میری اولاد کو نصیب کرے کیونکہ دوسرا آقا تبدیل کرنا ہماری غیرتیں برداشت نہیں کرسکتیں۔ ممکن ہے میرے بچوں میں سے سب ایک رنگ میں سلسلہ کی خدمات نہ کر سکیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری اولاد زیادہ ہے۔ اس صورت میں انگریز کی نوکری سے میں یہ زیادہ پسند کروں گا کہ وہ تجارت کرلیں، یا زراعت کرلیں، یا کوئی اور پیشہ اختیار کرلیں ان کاموں میں انسان کو بہت حد تک آزادی رہتی ہے اور وہ خدمتِ سلسلہ کیلئے کافی وقت نکال سکتا ہے۔ نوکریوں میں لوگ آزاد نہیں ہوتے۔ ان پر سَو پابندیاں عائد ہوتی ہیں پھر اقلیتوں کیلئے تو اور زیادہ مشکلات ہوتی ہیں۔

زبردست قومیں تبلیغ بھی کرلیں تو انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

میں شملہ میں ایک دفعہ گیا وہاں گورنمنٹ کے ایک ممبر نے جلسہ کیا، راجہ رام موہن رائے صاحب کی برسی تھی، اس جلسہ میں انہوں نے برہموسماج کی خوبیاں بڑے زور سے بیان کیں، گورنمنٹ کے کئی وزراء اس میں شامل ہوئے مگر ان سے کسی نے نہ پوچھا کہ وہ اس جلسہ میں کیوں شامل ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کی مدح وتعریف میں جب جلسے ہوتے ہیں تو جو احمدی ملازم ان میں شامل ہوتے ہیں ہیں ان میں سے بعض سے چھ چھ مہینے جواب طلبیاں ہوتی رہتی ہیں کہ تم کیوں جلسہ میں شامل ہوئے؟ تو طاقتور اور کمزور میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور جو عمل طاقتور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں کر جاتا ہے وہی عمل غریب اور کمزور کیلئے کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

مثل مشہور ہے کہتے ہیں ایک بھیڑیا اور بکری کا بچہ کسی نالے میں سے پانی پی رہے تھے، بھیڑیا اوپر کی طرف تھا اور بکری کا بچہ پانی کے بہاؤ کی طرف۔ بھیڑیئے نے جب بکری کے بچے کا نرم نرم گوشت دیکھا تو چاہا کہ اُس کا گوشت کھائے اور اُس کی نرم نرم ہڈیاں چبائے۔ یہ سوچ کر اُس نے بکری کے بچے سے کہا نالائق! تجھے شرم نہیں آتی میں پانی پی رہا ہوں اور تو پانی کو گدلا کررہا ہے۔ وہ کہنے لگا آپ اوپر کی طرف ہیں اور میں نیچے کی طرف، بھلا آپ کا پانی میرے پینے کی وجہ سے گدلا کیونکر ہوسکتا ہے۔ بھیڑیئے نے جونہی یہ جواب سنا جھٹ کُود کر اُس کا گوشت نوچ لیا اور کہنے لگا گستاخ! آگے سے جواب دیتا ہے۔ یہ تو تمثیلی زبان میں ایک بات کہی گئی ہے۔ انگریزی قوم میں بھی اسی قسم کا ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں ایک افسر سپاہیوں کو پریڈ کرارہا تھا کسی سپاہی پر وہ ناراض تھا مگر اس پر گرفت کا اسے کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ پریڈ کراتے کراتے کہنے لگا سپاہی نمبر ۱۳ تمہارا قدم ٹھیک نہیں۔ وہ کہنے لگا حضور! میرا قدم ٹھیک ہے افسر نے یہ جواب سن کر کہا سارجنٹ نمبر ۱۳ کو گرفتار کرلو یہ آگے سے جواب دیتا ہے۔

تو اقلیتوں کیلئے یہ بات ہؤا ہی کرتی ہے کہ ان کے حقوق کو آسانی سے دبالیا جاتا ہے اور ان پر سختی اور تشدّد کیا جاتا ہے۔ پس اقلیتوں کیلئے سرکاری ملازمتوں میں تبلیغ کرنے میں بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ انہیں ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کہیں افسر جواب طلبی نہ کریں اس لئے کیوں ہم وہ کام نہ کریں جن میں انسان اپنی روزی بھی کما سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت بھی کرسکتا

ہے۔ایک دُکاندار اپنی دُکانداری کے کام سے جب فارغ ہو جاتا ہے تو باقی وقت اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، اسی طرح تاجر یا صناع اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کا کام آزادی سے کرتے ہوئے دین کی خدمت بھی کرسکتا ہے۔پس میرے بچوں کے متعلق جن افسروں کو ابھی سے مشکلات نظر آرہی ہیں انہیں بے چینی کی کوئی ضرورت نہیں۔اگر اللہ تعالیٰ نے میری امیدوں اور خواہشوں کو پورا کیا تو وہ ان کے دروازوں پر کبھی نوکری مانگنے نہیں آئیں گے۔

چوتھا امر ڈاک خانہ کا رویہ ہے یہ بھی قریب کے عرصہ سے جاری ہے۔ڈاک خانہ میں پہلے ایک احمدی افسر ہؤا کرتا تھا پھر حکومت نے اُسے بدل دیا اور چونکہ تبدیلیوں کے متعلق گورنمنٹ کا قانون ہے اس لئے ہم نے کوئی بُرا نہ مانا اور اُس احمدی سے دریافت کیا کہ جو شخص آپ کی جگہ آرہا ہے وہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں اِسے جانتا ہوں وہ ایک شریف آدمی ہے اور اس سے کسی قسم کا خطرہ کا خیال نہیں ہوسکتا۔چنانچہ خود مَیں نے جماعت کے کارکنوں کو ہدایات دیں کہ تم لوگ اس سے پورا پورا تعاون کرنے کی کوشش کرو۔اس سے پہلے ایک اور احمدی کلرک ڈاک خانہ سے بدلا جاچکا تھا اور اس طرح سب ایک ڈھب کے آدمی ڈاک خانہ میں مقرر کر دیئے گئے اس تبدیلی کو ہم نے خوشی سے قبول کیا اور میں نے سلسلہ کے افسروں کو تعاون کی ہدایت کی اور کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ شخص شریف ہے مگر اس عملہ کی تبدیلی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

اوّل تو وہی شخص جس نے تعریف کی تھی اسی کے خلاف آرٹیکل لکھے جانے لگے اور اخبارات میں شائع کرائے جاتے گویا انہوں نے تو یہ سلوک کیا کہ آنے والے کی تعریف کی اور کہا کہ اس سے اچھا سلوک رکھا جائے وہ شریف آدمی ہے لیکن انہوں نے اس سے یہ سلوک کیا کہ اس کے خلاف اخباروں میں مضامین لکھے۔پھر میرے ساتھ جس نے یہ تاکید کی تھی کہ اچھا سلوک کیا جائے یہ معاملہ کیا گیا کہ میں نے ایک دوائی منگوائی وہ دوائی ابھی مجھے نہیں پہنچی تھی اور نہ اس کے متعلق خط ملا تھا کہ ایک رپورٹر نے احرار کے دفتر سے مجھے اطلاع دی کہ آج فلاں شخص یہ بیان کر رہا تھا کہ میں نے احرار کے اخبار میں یہ مضمون بھیجا ہے کہ یہاں ایسی ایسی دوائیوں کا پارسل آیا ہے۔میں حیران ہؤا کہ یہ اطلاع انہیں کیونکر مل گئی کیونکہ ابھی تک پارسل کی اطلاع مجھے بھی نہ ملی تھی۔زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اس میں قیمتوں کا بھی ذکر تھا اور ایک دوا کا نام بھی صحیح تھا۔

یہ رپورٹ میرے پاس صبح ۹ بجے قریب پہنچی اور بارہ بجے کے قریب ڈاک والا وہ پارسل میرے نام لایا۔ میں نے اُسی وقت پارسل لے کر دفتر کے ایک آدمی کو اس رپورٹ پر نشان لگا کر جو مجھے صبح پہنچی تھی ڈاک خانہ میں بھیجا کہ انہیں رپورٹ کا اتنا حصہ پڑھا آؤ اور کہہ آؤ کہ پارسل ہمیں بعد میں پہنچا ہے لیکن یہ اطلاع پہلے پہنچی تھی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی احرار کے دفتر میں اطلاعات دیتا رہتا ہے۔ اس پر پوسٹ ماسٹر صاحب نے کہلا بھیجا کہ مَیں اس واقعہ کی تحقیق کروں گا۔ وہ آدمی واپس آیا تو اُسی وقت دفتر سے ایک اخبار مجھے بھیجا گیا ''احسان'' تھا یا ''مجاہد'' مجھے صحیح یاد نہیں میں نے جب اُسے کھولا تو اُس میں پارسل کا ذکر بھی چھپا ہوا دیکھا چنانچہ وہ پرچہ بھی میں نے انہیں بھجوا دیا۔ اب اِس کے صاف طور پر یہ معنی ہیں کہ ڈاک خانہ کا عملہ پارسلوں اور خطوط کی اطلاعات احرار تک پہنچاتا ہے اور انہیں خبریں بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ ہم نے اس بارہ میں شکایت کی لیکن اب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا بلکہ جو افسر تحقیق پر مقرر ہوا اُس کا رویہ نہایت افسوسناک رہا ہے اور وہ مجرموں سے بھی زیادہ جُرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ہمیں صرف یہ جواب ملا ہے کہ یہ جو خبر نکلی ہے لاہور سے نکلی ہے قادیان کے ڈاکخانے سے نہیں نکلی اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ یہ اخبار سولہ تاریخ کا ہے اور جو پارسل قادیان میں سولہ کو پہنچا ہے اس میں سولہ کی خبر نہیں چھپ سکتی۔ بظاہر یہ ایک معقول بات معلوم ہوتی ہے لیکن ہے جھوٹ۔ اس لئے کہ خبر سترہ کے اخبار میں چھپی تھی اور سترہ کی مُہر لگی ہوئی ہمارے پاس موجود ہے سولہ کو پارسل قادیان پہنچا سترہ کو دوپہر کے وقت تقسیم ہوا۔ سولہ کو بٹالہ سے فون کے ذریعہ سے خبر بھجوائی جا سکتی تھی جیسا کہ احرار ان دنوں میں کرتے رہے ہیں اور شام کو چھپ کر سترہ کو اخبار قادیان پہنچ سکتا تھا۔ ۱۷ کی مُہر اس خبار پر خود ڈاکخانہ کی لگی ہوئی موجود ہے مگر افسروں کو دھوکا دینے کیلئے ماتحت عملہ اسے سولہ قرار دے دیتا ہے مگر اس کے علاوہ ایک قطعی ثبوت ہمارے پاس ایسا موجود ہے جس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بات لاہور سے نہیں نکلی۔ اگر گورنمنٹ نے اس معاملہ میں تحقیق کی تو اس کے سامنے وہ یقینی اور قطعی ثبوت پیش کر دیا جائے گا۔ اب تک میں نے اس کو ظاہر نہیں کیا لیکن اگر گورنمنٹ تحقیق کرے گی تو وہ یقینی اور قطعی ثبوت میں اس کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اِس موقع پر میں اس کی تفصیل بتائے بغیر صرف اِس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس رپورٹ کا ایک حصہ غلط ہے اگر وہ لاہور سے کسی کی رپورٹ ہوتی اور

دُکان سے بات نکلتی تو وہ غلطی نہ ہوتی جو اس رپورٹ میں موجود ہے۔ آخر مجھ سے تو کوئی شخص یہ امید نہیں کرسکتا کہ میں بخاری کو مُسلم یا مُسلم کو بخاری کہہ دوں۔ یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جس کو حدیث کا علم نہ ہو۔ پس رپورٹ کے ایک حصہ میں ایسی خطرناک غلطی ہے جو یقینی طور پر اِس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا منبع دُکان والے نہیں جو اپنی دواؤں سے خود ہی ناواقف نہیں ہوسکتے پھر ہمارے پاس اس بات کا قطعی ثبوت موجود ہے کہ ڈاک خانہ کے آدمی احراری ایجنٹوں کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ہمارے پاس اس بات کے بھی گواہ موجود ہیں کہ ڈاکخانہ کے آدمیوں نے کہا کہ انہیں ڈاکخانہ کے افسروں نے یقین دلایا ہے کہ احمدیوں کی شکایتوں پر انہیں کوئی تبدیل نہیں کرسکتا اور یہ کہ گورنمنٹ کا منشاء ہے کہ احمدی یہاں نہ رکھے جائیں۔

پھر ایک قطعی ثبوت اس بات کا کہ اِس تمام رویہ میں گورنمنٹ کے بعض افسروں کا ہاتھ کام کررہا ہے یہ ہے کہ خانصاحب فرزند علی صاحب جب ایک افسر سے ملے تو اُس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں ہم آزاد ہیں ہم بھی بعض باتوں کی وجہ سے مجبور ہیں۔ جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ گویا اس کو اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ تبدیلیاں نہ کی جائیں۔ حکومتِ پنجاب ایسی کسی ہدایت کے دینے سے انکار کرتی ہے لیکن اوپر کے واقعہ کی موجودگی میں ہم مجبور ہیں کہ تسلیم کریں کہ کسی لوکل افسر نے جھوٹ بولتے ہوئے ڈاک خانہ کے بعض افسروں کو دھوکا دیا ہے۔

میں گزشتہ ماہ میں سندھ گیا تھا اس سفر میں میری ڈاک کا جو حال ہؤا وہ یہ ہے کہ جن خطوط پر ۳،۴ اور ۵ تاریخ کی قادیان کی مہریں لگی ہوئی تھیں وہ مجھے ۱۱ تاریخ کو ملے حالانکہ ۹ تاریخ کے خطوط بھی مجھے ۱۱ کو ملے۔ ان ۳،۴ اور پانچ تاریخ والے خطوط پر کسی اور جگہ کی مُہر نہیں۔ بعض خطوط ایسے بھی تھے جو غلطی سے کسی اور جگہ چلے گئے لیکن اُن پر ان دوسرے ڈاک خانوں کی مُہریں تھیں جہاں وہ گئے لیکن اِن خطوط پر کسی اور جگہ کی مُہر نہ تھی جو صاف طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ ان خطوط کو روکا گیا تھا اور پھر کئی دن کے بعد انہیں روانہ کیا گیا۔ اسی طرح الفضل کو دِق کیا جارہا ہے اور متواتر اس کے پرچے لیٹ کئے جاتے ہیں یا بعض دفعہ پرچے خریداروں کو پہنچتے ہی نہیں۔ اسی طرح جوابی کارڈ غلط مُہریں لگا کر بعض دفعہ خط لکھنے والوں کو واپس کردیئے جاتے ہیں۔

یہ کارروائیاں ہورہی ہیں اور ان کی طرف متواتر افسروں کو متوجہ کیا جاتا ہے مگر اب تک

کوئی توجہ نہیں کی گئی اور جب بار بار توجہ دلانے کے باوجود ایک افسر نے کچھ کہا تو یہ کہا کہ میں آزاد تھوڑا ہوں۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اگر قادیان میں ایک بکری کی پیٹ میں بھی درد ہوتا ہے تو اس کی اطلاع اوپر جاتی ہے اور وہاں کے اشارہ سے اس بارہ میں کوئی کارروائی کی جاتی ہے۔ اب حال میں خان صاحب فرزند علی صاحب، چوہدری اسداللہ خان صاحب اور پیر اکبر علی صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل سے ملے ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ میں اس طرف توجہ کروں گا۔ اگر یہ وعدے پورے ہو جائیں جیسا کہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذمہ دار حُکّام اِس دفعہ حقیقت کو پاچکے ہیں اور حالات کی اصلاح کرنے پر تیار ہیں تو ہماری شکایات کا یہ حصہ ختم ہو جائے گا اور ہم باوجود گزشتہ تکالیف کے یقیناً اس محکمہ کے افسروں کے ممنون ہوں گے مگر آئندہ تو جو کچھ ہوگا ہوگا۔

جب ہم گزشتہ دو سالوں پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام احمدیوں کو یہاں سے بدل دیا گیا ہے تو ہمارا شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ ریلوے میں ایک احمدی تھا اُسے بھی تبدیل کر دیا گیا، ڈاک خانہ میں دو احمدی تھے انہیں تبدیل کر دیا گیا، پولیس میں دو احمدی تھے انہیں تبدیل کر دیا گیا، ایک نائب پٹواری احمدی تھا اُسے تبدیل کر دیا گیا، ایک پٹواری کے متعلق شُبہ تھا کہ وہ احمدی ہے اسے بھی یہاں سے بدل دیا گیا، بجلی والے جن کی آمد کا ۹۰ فیصدی احمدیوں پر انحصار ہے کسی احمدی کو ملازم نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں سرکار والا مدار کا حکم نہیں کہ کسی احمدی کو ملازم رکھیں۔ چنانچہ اِس وقت کسی محکمہ میں کوئی بھی اعلیٰ ملازمت والا احمدی نہیں۔ اور پولیس میں تو غریب کانسٹیبلوں تک کو تبدیل کر دیا گیا ہے تو اِن حالات کو دیکھ کر ہمارے دلوں میں ایک منظّم کوشش کا شُبہ پیدا ہونا قدرتی اور لازمی امر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ''حُسنِ اتفاق'' ہے لیکن اگر یہ حُسنِ اتفاق ہے تو کیا یہ حُسنِ اتفاق دنیا میں کہیں اور بھی پایا جاتا ہے؟ اِس حُسنِ اتفاق کے ماتحت کوئی کوشش تو کرے کہ کسی جگہ سے سب کے سب مسلمان نکل جائیں یا ہندوؤں کو الگ کر دیا جائے۔ پس ہم ہرگز یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں اور نہ دنیا کا کوئی عقلمند یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوگا کہ یہ حُسنِ اتفاق ہے۔ یہ حُسنِ اتفاق نہیں بلکہ سُوئے تدبیر ہے۔ ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں کبھی آپس میں محبتیں قائم نہیں رہتیں اور حکومتیں کبھی محبت کے بغیر دنیا میں قائم نہیں رہتیں۔ آخر کب تک ہم ان باتوں کو دیکھتے چلے جائیں گے اور ہمارے دلوں میں محبت کے جذبات قائم رہیں گے۔ یقیناً اس کی بہت

بڑی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہے اور جب کہ گورنمنٹ ان اخباروں اور رسالوں کو ضبط کرتی ہے جن کے ذریعہ سے سَو دوسَو یا چار سَو آدمیوں کے قلوب کو مجروح کیا جاتا ہے تو کیوں اس کے بعض افسر ایسا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے ایسی منافرت پھیلتی ہے کہ اکثر اخبار والے اس کا ہزارواں حصہ بھی منافرت نہیں پیدا کر سکتے۔

پانچویں مثال جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے بعض افسر جماعت احمدیہ کو خوامخواہ دِق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کل کا ایک واقعہ ہے جو بٹالہ میں ہؤا۔ کل بٹالہ میں ایک ریکروٹنگ افسر آیا تھا اُس کے سامنے ہمارے احمدی نوجوان بھی پیش ہوئے۔ میں نے مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر بیت المال کو ان کے ساتھ بٹالہ بھیجا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جب تمام نوجوان پیش ہوئے تو ایک ہندوستانی افسر وہاں یہ کہتا جا رہا تھا کہ مرزائی الگ ہو جائیں یہ مسلمانوں کی بھرتی ہے یہاں مسلمانوں کے سِوا اور لوگ نہیں لئے جائیں گے۔ اس پر ایک دوسرے مسلمان افسر نے کہا کہ جماعت احمدیہ کا مخالف تو میں بھی ہوں مگر میں گولی وہاں چلایا کرتا ہوں جہاں لگ جاتی ہے تم شاید ناواقف ہو تمہیں علم نہیں یہ گورنمنٹ میں بہت رسوخ رکھنے والے ہیں اگر تم انہیں یہاں بھرتی نہیں ہونے دوگے تو یہ اور جگہ بھرتی ہو جائیں گے۔ یہ گفتگو تو مولوی عبدالمغنی صاحب نے سُنی۔ اس کے علاوہ ایک اور احمدی دوست نے جو بٹالہ کے ہی ہیں اور وہاں کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں سنا کہ ایک ہندو افسر انگریز افسر سے کہہ رہا تھا صاحب! یہاں مرزائیوں کی بھرتی نہیں کرنی۔ اُس نے پوچھا مرزائی کیا ہوتے ہیں؟ وہ کہنے لگا یہ مسلمانوں میں ایسا ہی فرقہ ہے جیسے ہمارے ہاں آریہ سماجی ہیں۔ مسلمان بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ کافر سمجھتے ہیں۔ وہ انگریز کہنے لگا یہ مرزائی اپنے آپ کو کیا کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہتے تو اپنے آپ کو مسلمان ہی ہیں۔ وہ کہنے لگا جب یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو پھر تو ہمارے لئے یہ بڑی مشکل ہے کہ ہم ان کو بھرتی نہ کریں۔ وہ کہنے لگا نہ صاحب! حکومت کا بھی یہی منشاء ہے کہ کم سے کم گورداسپور کے ضلع میں مرزائی بھرتی نہ کئے جائیں۔ چنانچہ مولوی عبدالمغنی خان صاحب جب بعد میں اس انگریز افسر سے ملے تو اس نے خاص طور پر سوال کیا کہ آپ مرزائی یا احمدی کیوں کہلاتے ہیں؟ آپ لوگ مسلمان ہیں یا نہیں؟ آپ میں اور دوسرے مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

کوئی جماعت پنجاب میں ایسی ہے چاہے وہ حکومت کے سیکرٹری ہوں، چاہے ماتحت ارکان ہوں جو اندر ہی اندر لوگوں کے قلوب پر ہماری جماعت کے خلاف اثر ڈال رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ حکومت کی ملازمتوں کے دروازے احمدیوں پر بند ہو جائیں۔

میں آج صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم حکومت کی نوکریوں کے محتاج نہیں مگر حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ کھلے طور پر اعلان کر دے کہ آئندہ احمدیوں کو سرکاری ملازمتوں میں نہیں لیا جائے گا۔ کچھ افسر کچھ کہتے رہیں اور کچھ افسر کچھ کرتے رہیں یہ بے اصولی بات ہے۔ میں تو آگے ہی اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا رہتا ہوں کہ چھوڑو اِن نوکریوں کو اور جاؤ دنیا میں خدا تعالیٰ کی نوکری کرو، تجارت کرو، زراعت کرو، صنعت وحرفت میں ترقی کرو اور اس طرح جہاں اپنی روزی کماؤ وہاں خدا تعالیٰ کا نام بھی دنیا میں پھیلاؤ۔ اگر گورنمنٹ اعلان کر دے تو جیسا کہ کہتے ہیں ''بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' مَیں ذاتی طور پر اِس ظلم کو بھی جماعت کیلئے ایک مبارک فال ہی سمجھوں گا۔ میں تو پہلے ہی لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ وہ غیر ملکوں میں نکل جائیں۔ بھوکے رہیں، پیاسے رہیں، ننگے رہیں آخر اللہ تعالیٰ ان کی ترقی کے راستے کھول دے گا اور قومی کریکٹر بھی مضبوط ہوگا مگر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ کھل کر ایک دفعہ ہم سے کہہ دے کہ تم آئندہ باغی سمجھے جاؤ گے۔ تا اگر پھر جنگ شروع ہو تو کوئی افسر یہ نہ کہنا شروع کر دے کہ لاؤ اپنے احمدیوں کو ملک کی خدمت کیلئے پیش کرو۔ مصیبت کے وقت اگر گورنمنٹ نے ہمیں بُلانا ہے تو اب آرام میں بھی ہمارے حقوق ہمیں دے اور اگر مصیبت کے وقت اس نے ہمیں نہیں بُلانا تو پھر بے شک ہم اب بھی اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ نہیں کرتے۔ جوں جوں ہماری جماعت بڑھتی اور ترقی کرتی چلی جائے حکومت نئے افراد کو غیر فوجی قرار دیتی جائے یا کہتی جائے کہ تمام سرکاری ملازمتیں انہیں نہیں مل سکتیں۔ ہم سے پہلوں نے تو اس سے بہت زیادہ قربانیاں کی ہیں پھر ہمارے لئے اس میں گھبراہٹ کی کونسی بات ہو سکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ کے پاس ایک دفعہ صحابہؓ نے شکایت کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم پر کفار کی طرف سے پیہم مظالم ہونے لگ گئے ہیں آپ ان کیلئے بددعا کریں۔ رسول کریم ﷺ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اس سے بہت زیادہ تکلیفیں پہنچی، وہ سر سے لے کر پیر تک آروں سے چیر

دیئے گئے مگر انہوں نے اُف نہ کی تم بھی صبر کرو اور ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ ۳؎ ۔ پس صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے وہ تکلیفیں برداشت نہیں کیں جو پہلی اُمتوں نے برداشت کیں تو ہماری جماعت نے تو ابھی صحابہؓ جیسی قربانیاں بھی نہیں کیں پھر ہم کیوں گھبرا جائیں ۔ ہم تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا جو منشاء ہے وہ ہو جائے لیکن گورنمنٹ کیلئے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے صفائی سے کہہ دے ۔ یہ کوئی صحیح طریق نہیں کہ حُکّام میں سے ایک فریق کچھ کہتا جائے اور دوسرا پوشیدہ طور پر کچھ اور کہتا جائے ۔ جس حکومت کے افسروں میں ہی اتفاق نہ ہو اُس کو نقصان پہنچنا لازمی ہے ۔ پس اگر حکومت چاہتی ہے تو صاف طور پر کہہ دے کہ آئندہ ملازمتیں احمدیوں کو نہیں ملیں گی تو سوائے ان ملازمتوں کے جو امتحانوں کے ذریعہ سے ملتی ہیں ہم دوسری ملازمتوں کیلئے حکومت کے پاس نہیں جائیں گے اور میں ذمّہ لیتا ہوں کہ ہماری جماعت اس پر کوئی شور نہیں مچائے گی اور نہ ہم گورنمنٹ کی نسبت اپنے دل میں کوئی بُغض رکھیں گے مگر پوشیدہ اور مخفی کارروائیوں سے ہمارے دلوں کو ضرور تکلیف ہوتی ہے ۔

چھٹی مثال عیدگاہ کا واقعہ ہے جس میں ہمارے آدمی زمین ہموار کرنے کیلئے گئے تو پولیس نے کُدالیں اور ٹوکریاں چھین کر انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا اور کیمرے والوں کے کیمرے چھین لئے ۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ عدالت میں ہماری طرف سے درخواست دی گئی کہ ہمیں کیمرے واپس دیئے جائیں کیونکہ اس موقع کے جو فوٹو لئے گئے تھے وہ ہمیں حق بجانب ثابت کرتے ہیں ۔ مجسٹریٹ نے ہماری درخواست سن کر فیصلہ کیا کہ اگلی تاریخ پر اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا لیکن جب اگلی تاریخ آتی ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے طور پر انہیں ڈویلپ کرایا تھا مگر فلم اندر سے خالی نکلے حالانکہ اگر وہ ہمیں کیمرے واپس کرنا نہیں چاہتے تھے تو ان کا فرض تھا کہ وہ پہلی تاریخ پر ہی فیصلہ کر دیتے کہ ہم نہیں دیتے تا ہمیں ان کے ارادوں کا علم ہو جاتا اور ہم اپنے حق کے حصول کیلئے ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتے مگر ہمیں تو یہ کہا گیا کہ اگلی تاریخ کو اِس درخواست کا فیصلہ کیا جائے گا اور درمیان میں انہیں خود بخود ڈویلپ کرا لیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ وہ اندر سے خالی نکلے حالانکہ فلم کا خالی کرنا کیا مشکل ہوتا ہے ذرا دُھوپ لگا دی تو تصویر اُڑ جاتی ہے ۔ اس کے بعد وہ مقدمہ ایک دوسرے مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہؤا اور پولیس کی طرف سے دو سِکھ گواہ پیش

ہوئے۔ان کی گواہی ایسی تھی کہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ شاید عدالت کے دل پر اس گواہی کی وجہ سے احمدیوں کے حق میں اثر پڑے گا اس پر حاکم ضلع نے مسل خود طلب کر لی۔ چنانچہ جب مقدمہ کی ساعت میں دیر ہوئی اور ہمارے آدمیوں نے وجہ پوچھی تو عدالت نے بتایا کہ مسل ضلع میں منگوالی گئی ہے۔اس کے بعد معلوم ہؤا کہ حاکم ضلع نے ان گواہوں کو اپنے پاس طلب کیا اور زبردست افواہ ہے کہ ان سے ایک افسر نے کہا کہ ہم نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ تم کو احمدیوں کے خلیفہ نے بُلا کر پچاس روپے دے کر گواہی سے پھرا لیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب وہ گواہ بالا افسروں کے سامنے پیش ہوئے تو ایک پولیس کے افسر نے انہیں علیحدگی میں کہا کہ تم کہہ دو کہ خلیفہ صاحب نے پچاس روپیہ ہمیں رشوت دے کر کہا تھا کہ اِس رنگ میں گواہی دو اس طرح تم لوگ تکلیف سے بچ جاؤ گے۔

میرا پہلا جواب تو اس کے متعلق یہ ہے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہ جھوٹے پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مجھے ذرا بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوگئی تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی مدد سے اِس فریب کو ظاہر کر کے چھوڑوں گا جو اس کے پس پردہ کام کر رہا ہے۔ اس قسم کی تلقین کی صرف یہ غرض ہوسکتی ہے کہ مجھے بدنام کیا جائے مگر وہ یاد رکھیں وہ مجھے بدنام نہیں کر سکتے کیونکہ جن لوگوں کا مجھ سے تعلق ہے وہ مجھے جانتے ہیں، وہ میرے حالات اور خصائل سے واقف ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر سارے برٹش انڈیا کے افسر مل کر بھی ایک بات کہیں اور اس کے مقابلہ میں مَیں ایک بات کہوں تو سچی وہی بات ہوگی جو میں کہوں گا۔ پھر قادیان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے ان سِکھ گواہوں کے کُل ہی نام سنے ہیں اور میں نے آج تک انہیں کبھی دیکھا نہیں اور نہ یاد ہے کہ وہ کبھی مجھ سے ملے ہوں مگر کیا وہ ان چالبازیوں سے صداقت پر پردہ ڈال سکتے ہیں؟ اِدھر دورانِ مقدمہ میں ہی ڈپٹی کمشنر صاحب کا مسل منگوا لینا، اُدھر ایک افسر کا یہ بات کہنا کہ جماعت احمدیہ کے قلوب میں افسروں کے متعلق شکوک پیدا کرنے کیلئے بہت کافی ہے۔آخر ایک مقدمہ جب عدالت میں چل رہا ہو تو پہلے عدالت کو اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا گواہوں نے جھوٹ بولا ہے یا پولیس نے جھوٹ بولا ہے؟ یہ کیا کہ عدالت کے فیصلہ سے پہلے ہی ایگزیکٹو دخل اندازی کرنی شروع کر دے اور بعض افسر اپنا بُغض نکالنا شروع

کر دیں۔ میں نہیں جانتا اس معاملہ میں انگریزی حکومت کا کیا دستور ہے لیکن چار پانچ دن ہوئے حکومتِ پنجاب کے ہوم سیکرٹری نے کونسل میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم عدالت کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتے۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر عدالت کے معاملات میں دخل نہیں دیا جاتا تو اِس کے کیا معنے ہیں کہ ایک مقدمہ ایک عدالت میں چل رہا ہے اور فیصلہ سے پہلے ہی اس کی مسل منگوالی جاتی ہے اور گواہوں کو بھی بلایا جاتا اور ان پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس سے مقصد میری بدنامی ہے تو وہ ہو نہیں سکتی۔ باقی مجھے بھی اس کا علاج کرنا آتا ہے اور میں اس کوشش کیلئے مجبور ہوں گا کہ اگر یہ بات سچ ہے تو یا حکومت مجھ پر مقدمہ چلائے یا مجھے اور اُس افسر کو جس نے یہ حرکت کی ہے قَسم کِھلائے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ عقلیں دی ہیں جن کے ماتحت قانون کے اندر رہتے ہوئے ہم گورنمنٹ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے۔ یہ ہمارا رحم ہے جو ہم نے ابھی تک اس قِسم کی کوشش شروع نہیں کی ورنہ نہ ہم قید سے ڈرتے ہیں نہ پھانسیوں سے کیونکہ مؤمن سے بڑھ کر اور کوئی بہادر نہیں ہوتا۔ ممکن ہے گورنمنٹ بعض حالات میں ہمیں مجرم سمجھ لے اور قید کر دے مگر جب ہم سے بالا لوگ قید ہو چکے ہیں تو ہمیں قید سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر حکومت کے بعض افسر ایسے حالات اختراع کر دیں جن کے نتیجہ میں پھانسی کی سزا ملتی ہو تو بھی ہم کو کیا خوف ہو سکتا ہے کیونکہ ہم سے بالا لوگ بھی لٹکائے جا چکے ہیں۔ مؤمن جانتا ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ نے اُسے اُٹھانا ہوگا اُٹھا لے گا اور وہ اُسی وقت اُٹھائے گا جب وہ کام ہو جائے گا جو اُس نے اپنے بندہ سے لینا تھا اور جب کام ہو چکے تو پھر مؤمن کو اپنی موت سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ ہم جب دنیا میں ایسی آگ لگا جائیں جو کُفر اور شرک کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر راکھ کر دے، جب ہم دنیا میں وہ آگ لگا دیں جو شیطنت کو بھسم کر دے تو اس کے بعد اگر ہم دنیا سے اُٹھا لئے جاتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ دنیا میں کون ایسا انسان ہے جو ہمیشہ رہا۔ ہمارا منشاء تو شیطان کی عمارت کو ایک آگ لگانا ہے جب وہ آگ لگ جائے تو پھر خدا تعالیٰ کی مشیت چاہے قید کی صورت میں آ جائے یا پھانسی کی صورت میں، خواہ معمولی موت کی صورت میں، ہمیں اس سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

ساتویں بات یہ ہے کہ احرار برابر گالیوں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور حکومت کی طرف سے ان کے روکنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ میں اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ چوہدری اسد اللہ خان صاحب نے پنجاب کونسل میں بعض تقریریں کیں اس پر ایک گورنمنٹ افسر نے چوہدری صاحب کو مخاطب کر کے کہا گورنمنٹ تو آپ کی دوست ہے مگر آپ اور پیرا کبر علی صاحب اس کے خلاف تقریریں کر کے خواہ مخواہ اسے دشمن بنا رہے ہیں۔ چوہدری صاحب نے تو جو جواب دیا ہوگا دیا ہوگا میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ دوستی کی کوئی علامت بھی تو ہؤا کرتی ہے۔ دوست تو ہم ہیں کہ باوجود اِس قدر اشتعال انگیز حالات کے ہم نے حکومت کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی۔ میں نے ایک سکیم بھی سوچی تھی اور میں امید کرتا ہوں کہ اس سکیم کے ماتحت حکومت کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے رویہ پر نظر ثانی کرے مگر جب حکومت نے کسی قدر ہماری تسلی کی کوشش کی تو میں نے دیانتداری سے اس سکیم کو نظر انداز کر دیا۔ شہید گنج کے موقع پر خاص طور پر اس میں حصہ لے سکتے تھے مگر ایک طرف یہ دیکھ کر کہ ہمارے حصہ لینے سے مسلمان شور مچائیں گے اور اس طرح ان میں کمزوری پیدا ہوگی اور دوسری طرف گورنمنٹ کو خوامخواہ مصیبت میں پھنسانے سے احتراز کرتے ہوئے ہم نے اس میں حصہ نہ لیا مگر گورنمنٹ نے پھر بھی ہم پر الزام لگا دیا۔ پس اگر دوستی سے پچھلے چند دنوں کی خاموشی مراد ہے تو شاید یہ اعتراض درست ہو لیکن اگر دوستی کے معنی صلح اور محبت کے ہیں تو پھر یہ صحیح نہیں کہ گورنمنٹ ہماری دوست ہے۔ ہم اب بھی تیار ہیں کہ بہت سی باتوں کو معاف کر دیں، ہم اب بھی تیار ہیں کہ بہت سی باتوں کو بھُول جائیں مگر کچھ باتیں ایسی ضرور ہیں جن میں گورنمنٹ کو ہماری مرضی کا پورا کرنا ضروری ہے۔ جیسے گالیوں کا سلسلہ ہے کہ اسے بند کرنا گورنمنٹ کا فرض ہے یا جماعت احمدیہ سے ناواجب اور ناروا سلوک کرنے والے افسروں کو بدلنا ہے یہ بھی گورنمنٹ کا فرض ہے اور اس کا کام ہے کہ وہ انہیں تبدیل کرے مگر اس رنگ میں کہ ہماری براءت ثابت ہو اور آئندہ کسی کو ویسی حرکات کی جرأت نہ ہو کیونکہ دوستی کی کوئی علامت آخر گورنمنٹ بھی تو ظاہر کرے۔

ہم تو ہمیشہ سے امن پسند ہیں اور چاہتے ہیں کہ تفرقہ وفساد نہ ہو۔ ہمیں نہ مسلمانوں سے دشمنی ہے نہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں سے، ہم ہر ایک کے دوست بن کر رہنا چاہتے ہیں مگر

کوئی امن سے رہنے بھی تو دے۔ لیکن باوجود ہماری طرف سے امن پر قائم رہنے کے اگر حکومت رویہ نہ بدلے تو میں اسے کہوں گا کہ فتنہ کو کم سے کم حلقہ میں محدود کرنے کیلئے اسے چاہئے کہ جماعت پر یہ بات کھول دے کہ اقتصادی طور پر اسے حکومت سے کوئی فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اس سے بھی بہت سی تلخی دور ہو جائے گی کیونکہ امید کے بعد ناامیدی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن جب کوئی سمجھ لے کہ میرا کوئی حق نہیں تو اس کا شکوہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ یہ اعلان کر دے کہ آئندہ سرکاری ملازمتوں میں احمدیوں کو نہیں لیا جائے گا۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو ایسے اعلان سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لاکھوں تدبیریں ہیں جو اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اگر ملازمتوں کے دروازے گورنمنٹ بند کرے تو ہمارے نوجوان تجارت وغیرہ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوں گے۔

اِس وقت دو نہایت زبردست حکومتیں ہندوستان میں اپنے تعلقات وسیع کرنے کیلئے کوششیں کر رہی ہیں اور وہ غیر معمولی مدد دینے کیلئے بھی تیار ہیں۔ مثلاً وہ اس بات پر تیار ہیں کہ تجارتی مال دیں مگر اس کے بدلہ میں روپیہ نہ لیں بلکہ ہندوستانی مال مثلاً گیہوں لے لیں یا کپاس لے لیں اس طرح تجارت میں بہت کچھ سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ بے شک ابتدا میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے تکلیف ہوگی مگر خطرات میں پڑے بغیر انسانی اخلاق میں مضبوطی نہیں پیدا ہوتی۔ عقلمند اِن تکلیفوں کو بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سمجھا کرتے ہیں۔ اگر اس تجربہ میں ہمارے نوجوان کامیاب ہوگئے تو وہ اپنی روزی کمانے کے ساتھ ساتھ ان افسروں کو بھی سزا دے دیں گے جو ہمیں ناحق دُکھ دیتے ہیں کیونکہ اِسی طرح لاکھوں کی تجارت انگلستان کے ہاتھ سے نکل کر دوسری قوموں کے ہاتھ میں چلی جائے گی بلکہ میں کہتا ہوں کہ دوسری قوموں سے تجارتی تعلق پیدا کرنے سے بھی زیادہ مفید یہ ہے کہ خود صنعت و حرفت کی طرف ہماری جماعت توجہ کرے تا کہ ہر قسم کے سیاسی اثر سے محفوظ ہو جائے۔ گزشتہ جدوجہد کے زمانہ میں یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ زمیندار افسروں سے زیادہ مرعوب ہوتا ہے بہ نسبت تاجروں کے۔ پس تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف ہماری جماعت کو زیادہ توجہ چاہئے تا کہ کسی کی محتاجی باقی ہی نہ رہے۔ خود صنعت و حرفت کی طرف توجہ کریں اور تجارت غیر ملکوں سے بڑھانے کی کوشش کریں جو قانوناً جائز فعل ہے۔ کوئی قانون ہمیں اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ ہم ضرور انگریزی مال لیں۔ بے شک ہم بائیکاٹ کے مخالف ہیں مگر بغیر

بائیکاٹ کئے کے کوئی دوسرا طریق اختیار کرنا تو منع نہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو کانگرس بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گی۔ کانگرس میں اِس وقت کوئی تنظیم نہیں اگر ہم ایک تنظیم کے ساتھ یہ کام کرنے لگیں تو ہزاروں ہندو اور سِکھ ہم سے مل جائیں گے اور قانون شکنی کا خیال لوگ بُھلا دیں گے اور اس طرح بِالواسطہ طور پر بھی حکومت کی ایک خدمت کر دیں گے اور ساتھ ہی قانون کے اندر رہتے ہوئے خود نفع کماتے ہوئے ہم اپنے حقوق بھی حاصل کر سکیں گے اور یہ صرف ایک ہی طریق نہیں ایسے بیسیوں طریق ہیں جن سے جماعتیں اپنے آپ کو ملازمتوں سے آزاد کر سکتی ہیں۔ جب ملازمتوں کے راستے بند ہوں تو خود بخود ہماری جماعت کے دماغ دوسری راہوں کی دریافت اور ان پر چلنے کی طرف متوجہ ہوں گے۔ مگر ہم صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور خوامخواہ حکومت کیلئے مشکلات پیدا نہیں کریں گے اور کوشش کریں گے کہ چند افسروں کی وجہ سے حکومت کیلئے مشکلات پیدا کرنے کا موجب نہ بنیں مگر جو سلوک ہم سے کیا جا رہا ہے نہایت تکلیف دہ ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر کب تک ہم ان باتوں کو برداشت کرتے چلے جائیں گے، کب تک ہم اپنے امن کو برباد ہوتا دیکھیں گے یقیناً ایک وقت آئے گا جب مجبور ہو کر ہمیں ان ذرائع کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمیں ان تکالیف سے بچائیں۔ اس لئے میں ایک دفعہ پھر حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اب بھی اپنے رویہ پر غور کرے۔ ہم اس بات پر تیار ہیں کہ اس سے صلح کر لیں مگر اس کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ بڑی بڑی باتوں میں ہماری شکایتوں کو دور کرے۔

آج حکومت اپنے آپ کو ہماری مدد سے مستغنی سمجھتی ہے مگر میں اُس نگاہ سے دیکھ رہا ہوں جس نگاہ سے وہ نہیں دیکھ رہی کہ حکومت کو پھر مشکلات پیش آنے والی ہیں اور آسمان سے خدا تعالیٰ یہ ثابت کر دے گا کہ کل کو یہی حکومت پھر ہماری مدد کی محتاج ہو گی۔ پھر کل کے افسر ہمیں کہیں گے کہ آؤ ہماری مدد کرو اور پچھلے افسروں کے رویہ کو نظر انداز کر دو مگر میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج انہوں نے ہماری شکایات کو دور کرنے کی کوشش نہ کی تو کل ان کا ہمیں اپنی مدد کیلئے بلانا بیکار ثابت ہوگا اور ہم قانون شکنی سے بچتے ہوئے اپنی جماعت کی معیشت کیلئے دوسرے ذرائع اِنْشَاءَ اللّٰہُ نکالیں گے جن کو اختیار کر کے ہم حکومت کی مہربانیوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ مگر ہم چھپ کر کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ کھلے بندوں کریں گے، عَلَی الْاِعْلَان کریں گے اور حکومت کے قانون کے

اندر رہ کر کریں گے یہاں تک کہ انگریزوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان باتوں میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ہم کو ان ذرائع کے اختیار کرنے سے روکیں تو ملک میں بھی شورش برپا ہو جائے گی اور دنیا میں بھی ان کی بدنامی ہوگی۔ انگریزی فطرت کو ہم جانتے ہیں وہ کھلی بے انصافی کو کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔ پس ہم اس سے یہ امید نہیں کرسکتے کہ وہ خود ہی قانون بنائے اور ان کے اندر رہ کر کام کرنے والوں کے خلاف کارروائی کر کے بے انصاف بن جائے۔

پس میں پھر ایک طرف حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انصاف سے کام لے اور ان فتنہ انگیزیوں کو روکنے کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ وہ زیادہ تر نوکریوں کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے کاموں کو اختیار کرے۔ مگر بعض بیوقوف ایسے ہیں جو اَب تک مجھے لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں افسر کے پاس ہماری سفارش کردیں۔ نہ معلوم وہ لوگ میرے خطبے پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے، اور اگر پڑھتے ہیں تو سمجھتے کیوں نہیں۔ مَیں متواتر جماعت کو بتارہا ہوں کہ حکومت کے بعض افسر ہمارے امن کو برباد کررہے ہیں، وہ ہماری کسی بات پر کان نہیں دھرتے بلکہ ہمیں نقصان پہنچانے اور ہماری طاقت کو توڑنے کی کوشش کررہے ہیں مگر وہ احمق مجھے لکھتے ہیں کہ ہماری سفارش کردیں۔ میں نے تم کو وہ راستہ بتادیا ہے جس پر تم اپنے حقوق حاصل کرسکتے ہو اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور ِگرو اور اس سے دعائیں کرو۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اِس پیر سے روزے رکھو مگر معلوم نہیں تمہیں کیا عادت ہوگئی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی بجائے بندوں کے پاس جانا پسند کرتے ہو۔

میں تمہیں نوکریوں سے منع نہیں کرتا بے شک تم اچھی سے اچھی ملازمت کیلئے کوشش کرو لیکن یہ سمجھ لو کہ سب لوگوں کو نوکریاں نہیں مل سکتیں اس لئے علاج یہی ہے کہ تم اپنا رزق خدا سے مانگو۔ وہ معمولی معمولی کاموں میں بھی بعض دفعہ اتنی ترقی دے دیتا ہے کہ لوگ رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ پس تم قربانیوں کیلئے تیار ہو جاؤ اور اِس بات پر آمادہ رہو کہ اگر تمہیں بھُوکا رہنا پڑے، پیاسا رہنا پڑے، ننگا رہنا پڑے تب بھی تم ان تکالیف کو برداشت کرو گے۔ جب یہ روح پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ غیب سے خود بخود تمہارے لئے کئی رستے کھول دے گا۔

تام چینی کے برتن جس شخص نے بنائے ہیں وہ پہلے نواب تھا لاکھوں روپیہ کا مالک تھا مگر

جب اس نے یہ کام شروع کیا تو اپنا سارا روپیہ اُس نے خرچ کر دیا مگر پھر بھی کامیاب نہ ہؤا۔ اِس کے بعد اُس نے بیوی کے زیور بیچنے شروع کر دیئے، وہ روپیہ ختم ہؤا تو دوستوں اور رشتہ داروں سے قرض لے کر کام کرنا شروع کر دیا، جب بالکل اُس کی آخری نوبت پہنچ گئی تو بیس سال کی محنت، تلاش اور جستجو کے بعد وہ تام چینی کے برتن بنانے میں کامیاب ہوا اور اس کے بعد اسی کام سے وہ کروڑ پتی ہو گیا۔

پس صنعت و حرفت کرو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ اس قدر آمد ہوتی ہے کہ نوکریوں میں اتنی آمد نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نوکریاں نہ کرو۔ جب تک حکومت روک نہیں دیتی اُس وقت تک بے شک نوکریاں کرو لیکن روک دے تو گھبراؤ نہیں بلکہ کہہ دو

ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست

خدا تعالیٰ نے دنیا کو نہایت وسیع بنایا ہے۔ ایک جگہ اگر راستہ بند ہو تو وہ دوسری جگہ رزق کا راستہ کھول دیتا ہے اور ہمارا رزق تو خدا تعالیٰ کے عرش پر موجود ہے اور اُسی نے ہمیں دینا ہے۔ پس اُسی سے مانگو اور دعائیں کرو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ محبت، پیار، نرمی اور دلائل سے حکومت پر تمام باتیں واضح کر دوں لیکن اگر باوجود اِس کے حکومت ہماری شکایتوں کو دور کرنے کیلئے تیار نہ ہو تو دنیا گواہ رہے کہ ہم نے امن قائم کرنے اور حکومت سے تعاون کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن حکومت نے ہماری طرف محبت کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ مَیں کوشش کروں گا کہ ہماری طرف سے حکومت کے ساتھ تعاون ہو لیکن اگر اُس حد تک تعاون نہ ہو سکے جس حد تک کہ ہم پہلے تعاون کرتے تھے تو آئندہ آنے والے افسروں کا یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے سوال کریں کہ تم کیوں اب گزشتہ کی طرح تعاون نہیں کرتے کیونکہ آخر پچھلے لوگ پہلوں کے ہی وارث ہؤا کرتے ہیں۔

(الفضل ۴؍اپریل ۱۹۳۶ء)

۱؎ فاطر: ۲۵

۲؎ مسلم کتاب الایمان باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف

۳؎ بخاری کتاب المناقب باب علَامَات النبوۃ فی الاسلام